رسالہ الجواب المفید فی حکم جاہل التوحید

توحید سے جاہل

شخص کے بارے میں شرعی حکم

تالیف

ابو عبداللہ عبدالرحمن بن عبدالحمید المصری

تقدیم

فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ

خلیق الرحمن قدر

نظر ثانی

محمود الحسن الجمیری

تخریج

محمد حماد امین

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمة الشيخ عبدالعزيز بن باز رحمه الله

الحمد لله رب العالمين ،والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين ،نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين . أما بعد ؛

فقد تقدم الي الأخ في الله فضيلة الشيخ / عبدالله بن سعدي الغامدي ، وهو معروف بصدقه وأمانته ، وغيرته الدينية ووقوفه ضدالخرافات ، والأعمال الشركية ، والبدع ونحوها ، وذبه عن العقيدة الاسلامية ، والدعوة اليها ، ومكافحة ما يخالفها ، وذكر لي أنه قد عزم على جمع بعض الرسائل النافعة من مؤلفات أئمة الدعوة وبعض علماء نجد وطبعها ، في حكم تكفير المعين وعدم العذر بالجهل في مسائل التوحيد والشرك وطلب مني أن أضع لها مقدمة لها . وقد فضلاء قضوا حياتهم في تدريس العلم النافع من كتاب الله تعالى وسنة رسوله عليه الصلاة والسلام ، والعمل بهما ، والدعوة الى الله ، وصانوا العقيدة ودافعوا عنها ، وبينوا زيغ الزائغين ، وضلال الضالين ، مع اشتمال هذه الرسائل على بيان التوحيد وما جائت به الرسل ، ونزلت به الكتب ، وبيان ما يحب الله تعالى على عباده من العبودية لله وحده ، واخلاص العبادة له بجميع أنواعها قولاً وعملاً اعتقاداً ، فلا يُدعى الا هو وحده ، ولا يرجى الا هو وحده ، ولا يستغاث ولا يستعان الا به وحده .

كما أن هذه الرسائل أيضاً قد اشتملت على محاربة الوثنية بجميع صورها وأشكالها وألوانها ، وحذرت عن كثير من انواع الشركيات الواقعة عند كثير من المسلمين وخاصة في هذه الأزمنة وفي كثير من البلاد كدعاء الأنبياء والصالحين وغيرهم ، ودعوة الغائبين من الملائكة والجن وغيرهم سؤالهم قضاء الحاجات ، وتفريج الكربات ، واغاثة اللهفات ، والتقريب اليهم بالذبح والنذر وسائر أنواع العبادات ألتي لا تصلح الا الله تعالى ، كما اشتملت على تكفير من دلت الأدلة على كفره ، وكشف الشبهات ، وثلاثة الأصول ، وتطهير الأعتقاد عن أدران الشرك والالحاد ، وحكم تكفير المعين ، والمورد العذب الزلال ، وشرح أصل دين الاسلام وقاعدته ، والرد على الجهمي ، الكلمات النافعة في المكفرات الواقعة ، والعقيدة الواسطية ، والعقيدة الطحاوية ، درجات الصاعدين الى مقامات الموحدين ، والجواب المفيد في حكم تارك التوحيد تفسير قوله تعالى : ﴿ واذا أخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذريتهم ......﴾ الآية من تفسير محمد رشيد رضا ، وأدلة معتقد أبي حنيفة الامام في أبوي الرسول عليه السلام ، فتوى لسماحة الشيخ محمد بن ابراهيم في الزكاة ، فتاوي للشيخ سليمان بن سمحان والشيخين عبدالله والشيخ ابراهيم ابني الشيخ عبد اللطيف في تكفير الجهمية ، أربع فتاوى من مجلة البحوث الاسلامية وغيرها في حكم دعاء الجن وتكفير من يدعوهم وعدم العذر بالجهل وفي كفر من رضي بما هو عليه من الشرك وأعرض عن تعلم التوحيد ، نواقض الاسلام .

جزى الله مؤلفيها أعظم الجزاء وضاعف مثوبتهم ، ورفع درجاتهم في المهديين ، ونفع بعلمهم المسلمين في كل وقت حين ، وجزى الله فضيلة الشيخ عبد الله خيراً ، وأثابة لقاء حرصه على نشر الكتب الداعية الى التوحيد الله وتعظيم كتابه ، وسنه نبيه ﷺ والرد على من خالف ذلك ، ووفقه وأعانه على كل خير انه جواد كريم ، وصلى الله وسلم على نبينا مهمد وآله وصحبه .

الرئيس العام

لادارات البحوث العلمية والفتاء والدعوة والارشاد

عبدالعزيز بن عبدالله بن باز رحمه الله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ پیش لفظ ﴾

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خاتم الأنبیاء والمرسلین،أما بعد:

بے شک دنیا میں ایسے بے شمار قوانین ہیں جن سے جہالت برتنے والے کو یہ سمجھ کر معاف نہیں کیا جاتا ہے کہ یہ شخص اس قانون سے لاعلم یا جاہل تھا اس لئے اس کو درگزر کر دیا جائے بلکہ اس خلاف ورزی کی وجہ سے اس کو سزا کا مکمل مستحق سمجھا جاتا ہے جبکہ یہ دنیاوی قوانین مسئلہ توحید کے مقابلے میں بہت زیادہ پوشیدہ اور مخفی ہوتے ہیں۔اور توحید ہر انسان مسلمان ہو یا کافر اس کی فطرت میں روز روشن کی طرح چمک رہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَفِی اَنْفُسِکُمْ اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ﴾(سورۃ الذّٰریٰت آیت:۲۱)

میں نے تو اپنی پہچان الوہیت اور ربوبیت کے دلائل تمہاری جانوں میں رکھے ہیں کیا پھر بھی تمہیں نظر نہیں آتی۔اسکے باوجود بھی اگر کوئی شخص کفر وشرک میں مبتلا رہتا ہے تو مولوی صاحب پھر بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ شخص اس قانون فطرت سے جاہل ہے لاعلم ہے لہٰذا اس کو کافر یا مشرک نہیں کہا جائے جیسے بعض صوفیوں نے کہا ہے کہ چوری کرنے والے کو چور نہ کہا جائے شراب پینے والے کو شرابی نہ کہا جائے زنا کرنے والے کو زانی نہ کہا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اندر سے وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہو ذرا غور کیجیے اگر مسئلہ اسطرح ہے پھر تو اللہ ہی جانے کون کافر ہے کون مومن،کون مشرک،کون موحد،کون ولی،کون زانی،پھر تو اللہ ہی جانے ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ سے کیا مراد ہے حالانکہ قرآن کریم کے نزول کا مقصد ہی یہ تھا کہ حق اور باطل کو الگ الگ کر دے ناپاک کو پاک سے الگ کر دے ایسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ﴾

”جس حال میں تم ہو ایسی حالت پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو نہ چھوڑ یگا جب تک وہ ناپاک اور پاک کو الگ الگ نہ کر دے۔“(سورۃ آل عمران آیت:۱۷۹)

کیا دنیا کا کوئی قانون اس شخص کو معاف کرنے کے لئے تیار ہے جو جہالت اور لاعلمی کی بنا پر (Traffic Signal) ٹریفک سگنل توڑ دیتا ہے،یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ شخص اس قانون سے جاہل تھا؟ ہرگز نہیں۔کیونکہ یہ

جہالت اسکی اپنے اور دوسروں کی لیے جان لیوا ہے بالکل اسی طرح شرک وکفر بھی ایک ایسا زہر قاتل ہے جو اسکے کرنے والے کو ہر صورت میں ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم میں لے ڈوبے گا۔چاہے وہ اِسے دانستہ طور پر کرے یا نادانستہ پر کیونکہ مشرک کل قیامت کے دن یہی جہالت کا عذر پیش کرے گا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ o اَوْتَقُوْلُوْآ اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَامِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْ بَعْدِھِمْ اَفَتُھْلِکُنَابِمَافَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾

”کہ تم کل قیامت کے دن یہ کہنے لگو کہ اے اللہ ہم تو اس توحید سے بے خبر تھے یا یہ کہو شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا ہے ہم تو ان کی اولاد تھے (لہٰذا ہم نے بھی وہی کام کیا ہے جو انہوں نے کیا) کیا تو ان خطا کاروں کی وجہ سے ہمیں ہلاکت میں ڈالے گا۔“(سورۃ الأعراف۱۷۲،۱۷۳)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلاَ﴾(سورۃ الاحزاب ۶۷)

”مشرک کہیں گے یا اللہ ہم نے اپنے لیڈروں اور بزرگوں کی پیروی کی ہے گمراہ تو ہمیں انہوں نے کیا۔“

تو معلوم ہوا کہ شرک چاہے جہالت کی وجہ سے کرے یا تقلید کی وجہ سے کرنے والا ہر صورت میں مشرک ہی ہوتا ہے۔اگر مومن ہوتا تو اللہ تعالیٰ انکے عذر کو قبول کر لیتا۔(اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے رسالہ ”الجواب المفید فی حکم جاھل التوحید“ جو عربی کتاب عقیدہ الموحدین سے لیا گیا ہے اس کتاب کا مقدمہ الشیخ عبدالعزیزؒ بن عبداللہ بن باز نے تحریر کیا جو اس کتاب کے شروع میں موجود ہے۔اس عربی کتاب کا ترجمہ انتہائی اِحسن انداز میں منتقل کرنے کا سہرا جناب خلیق الرحمٰن قدر صاحب کے سر ہے جنھوں نے اس اہم مسئلہ پر مشتمل عربی کتاب کو خوش اسلوبی سے اُردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔)

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر قسم کے کفر وشرک سے محفوظ رکھے اور تمام طاغوتی قوتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمود الحسن الجمیری

استاذ جامعۃ الدراسات الإسلامیہ کراچی

تمہید

(الف) اس بات کا ہر مسلمان کو علم ہونا ضروری ہے کہ روز قیامت نجات کا دارومدار دنیا میں رہتے ہوئے صرف اور صرف اسلام کو دل وجان سے قبول کرنے اور اللہ کی بندگی واطاعت کرنے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَفِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾

(سورۃ عمران آیت: ۸۵)

''جو شخص دین اسلام کے بجائے کسی اور دین کو تلاش کرے گا تو اُسے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا'' اور رسول ﷺ کا فرمان ہے۔

((لایدخل الجنه الانفس مسلمة))

''جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوگا''

(صحيح بخاری ٤:٨٨،صحيح مسلمؒ كتاب الإيمان ب ٧ ٤ رقم ١٧٨)

اس طرح اسلام کے احکامات کی صرف ظاہری عمل داری سے ہی اپنی جان اور مال کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے کیونکہ دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔

فرمان رسول ﷺ ہے ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے خلاف جہاد کرتا رہوں حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، جب لوگ یہ اعمال بجالائیں گے تو مجھ سے اپنی جان و مال کو محفوظ پائیں گے۔مگر اسلام کے حق کے ساتھ (یعنی اگر اسلام کا کوئی حق پامال ہوگا تو جان و مال محفوظ نہ ہوگا) اور لوگوں کا حساب و کتاب، اللہ پر ہوگا۔''

دوسری روایت میں یہ فرمان ہے کہ:

((انما امرت باالظواهر والله يتولى السرائر))

''ہم لوگوں کے ظاہری اعمال کو دیکھ کر حکم لگاتے ہیں دلوں کے پوشیدہ راز کو اللہ ہی جانتا ہے''۔

لہٰذا جو شخص دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر مرتا ہے تو وہ اللہ کے یہاں قابل قبول نہ ہوگا۔

(ب) یاد رکھو! دین میں ایک اصل (بنیاد) ہوتی ہے اور ایک فرع (مختلف اقسام) ہوتی ہے ہم دونوں کو باالتفصیل ذکر کرتے ہیں۔

اصل: دین کی اصل یعنی بنیاد توحید باری تعالیٰ ہے اس توحید کی نشرواشاعت کے لئے انبیاء ورسل علیہم السلام تشریف لائے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا حقیقی مقصد ایک ہی تھا یعنی توحید باری تعالی کی بالادستی اور اسکا نفاذ۔اسکو ایمان مجمل کلمہ یا اسلام کی اصل مقصدان تمام چیزوں کا توحید ہے۔

فرع: ہر رسول کی الگ الگ شریعت تھی جس میں مختلف احکام ومسائل تھے یہ احکام انکے اپنے زمانے کے تقاضوں اور قوم کی برائیوں کے مطابق مختلف اور جداگانہ تھے۔اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت ومصلحت ہوتی تھی۔اُسطرح اللہ تعالیٰ احکام ومسائل نازل فرماتا تھا۔دین کی اصل وہ محدود دائرہ ہے جس کے ذریعے کوئی بھی شخص اسلام میں داخل ہوسکتا ہے۔اس طرح کہ اُسکا دین اللہ کے نزدیک قابل قبول ہو۔

(ج) بعض اوقات انسان کو ایسے عوارض (یعنی مسائل) لاحق ہوتے ہیں جسکی وجہ سے احکامات شرعیہ (مکمل یا جزوی طور پر) اس پر لاگو نہیں ہوتے یہ احکام اسلام کی اصل (توحید) سے تعلق رکھتے ہوں یا فروعات (یعنی احکام وغیرہ) سے اس شخص سے ساقط ہوجاتے ہیں۔اور اس مجبوری کے پیشِ نظر وہ انسان سزا کا مستحق بھی نہیں ہوتا۔

یہ عوارض دو اقسام پر مشتمل ہوتے ہیں۔

[1] پہلی قسم میں ایسے عوارض شامل ہیں جو بے اختیار ہوتے ہیں۔مثلاً

(1) پاگل پن

(2) کم عقلی

(3) مدھوش یا سکتہ طاری ہونا

(4) نسیان یعنی بھولنے کی بیماری

(5) نیند کی حالت میں ہونا

[2] دوسری قسم میں ایسے عوارض شامل ہیں جو اختیاری ہوتے ہیں یعنی جو بندے کے اپنے فعل کی بنا پر پیش آتے ہیں مثلاً

(1) بے وقوفی

(2) جہالت

(3) نشے میں مست ہونا

(4) غلطی کرنا

(5) بطور اکراہ وناپسندیدگی کے کوئی عمل کرنا یعنی مجبوراً۔

یہ تمام عوارض ولواحق ایک مکمل باب کی حیثیت رکھتے ہیں ہر ایک کے لئے مختلف تفصیلی مباحث ہیں جس میں ہر قسم کے معانی اقسام وکیفیات اور اسکے اثر انداز پر گفتگو کی جاسکتی ہے ان تمام جوہات کی بناء پر کلی یا جزوی طور پر ہر سزا کا عمل ساقط ہوجاتا ہے لیکن ہمارے پیش نظر (کتاب ھذا میں: جہالت کا احکام شرعی توحید یا دیگر فروعی احکام پر اثر انداز ہونے پر بحث کرنا ہے) اور ہمارے سامنے جو مختلف علماء کے آراء افکار ہیں انکو بیان کرنا شامل ہے۔

یہ بحث چند اہم ترین امور پر مشتمل ہے۔ مثلاً

(1) جہالت کے معانی پر بحث کرنا۔

☆ توحید یا دین کی اصل سے جہالت برتنے والے اور اس سے غافل رہنے والے سے متعلق بحث کرنا۔

☆ شرعی اصول وقوانین، متواتر احادیث، صفات باری تعالیٰ اور مسائل اجماع امت اور دین کی

بنیادی ضروریات سے لاعلم رہنے پر بحث کرنا۔

☆ عقیدے کے متعلق واردشدہ خبر واحد سے لاعلم رہنا۔ باجود اس کے کہ اہل سنت والجماعت خبر واحد کو معتبر جانتے ہیں۔ (بلکہ خبر واحد حنفیہ کے نزدیک عقیدے میں معتبر نہیں ہے۔)

(دیکھیے شرح العقائد نسفی کی شرح فقہ ''الأکبر'' ملاعلی قاری کی۔)

(2) مکلّف کی جہالت کو ایک عذر اعتبار کرنا اسکے اِقامت گاہ کی لحاظ سے یعنی دارالاسلام (جہاں پر اسلام کے بارے میں معلومات باآسانی حاصل ہوسکتی ہوں) یا دارالحرب (جہاں پر علم دین کے حصول کا غالب امکان نہ ہو) میں رہتا ہے؟۔

(3) اسلام کی صحت اور اس کے اثر انداز ہونے سے جہالت کا اعتبار کرنا۔ یعنی حقیقۃً اس پر اسلام کا حکم یا آخرت میں جزاوسزا کا حقدار ہوگا یا نہیں اسی طرح ظاہراً اُس پر اسلام کا حکم یا احکامات جاری ہوگے یا نہیں۔

(ج) مذکورہ بالا تمام مسائل پر سیر حاصل بحث سے قبل یہ ضروری ہے کہ ہم جہل کے اس معانی کی وضاحت کرتے چلیں جو اس ساری بحث میں ہمارے مدنظر ہے۔

دراصل جہالت کے شرعی اعتبار سے دو بنیادی معانی ہیں جن کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔

(اول) فقدان علم۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿یَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ (سورة البقرہ آیت:۲۷۳)

''جاہل ان (غریبوں) کو ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے مالدار سمجھتا ہے یعنی لاعلم شخص انکی حقیقت حال سے واقف نہیں''۔

(دوم) دوسرا معنی ہے کم عقلی، گھٹیا پن اور غلط اندازہ لگانا۔

جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اجۡعَلۡ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ﴾ (سورة الاعراف آیت:۱۳۸)

''(بنی اسرائیل) کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لیئے بھی ایسا معبود بنادے جس طرح کا ان (بت پرستوں کا) معبود ہے۔تو موسیٰ نے فرمایا''تم تو بہت جاہل قوم ہو'' انہی معنوں میں اکثر طور پر قرآن کریم میں جہالت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اور کبھی کبھی لفظ جہالت کا اطلاق کم علمی و بے شعوری کی وجہ سے ناسمجھ بچے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ یوسف کی ایک آیت ہے

﴿ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّافَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْاَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ﴾ (سورۃ یوسف آیت:۸۹)

''کہا کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اسکے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ جب تم جاہل تھے۔''

مفسر قرطبیؒ اس آیت کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں ''یعنی جب تم نے یہ فعل کیا اس وقت تم بچپن کی نادانی میں مبتلا تھے'' لیکن ہمارے پیش نظر جو جہالت کا مفہوم ہے وہ پہلی قسم کی جہالت ہے یعنی علم کا فقدان اور لاعلمی۔اگر جہالت بوجہ عقل و نفس کی بے وقوفی کے ہے اور اسی وجہ سے کفر لاحق ہو رہا ہے تب بھی اس کفر میں پہلی قسم کی جہالت ضرور شامل ہوگی۔واضح رہے کہ کفر کے اسباب میں لاعلمی کے ساتھ ساتھ دیگر اسباب بھی ہو سکتے ہیں مثلاً دین سے منہ پھیرنا یا تکبر کرنا۔(غفلت و بے پرواھی میں ہی پوری زندگی گذار دینا)

للشیخ ابو عبداللہ عبدالرحمن بن عبدالحمید المصری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہالت کا توحید پر دائرہ اثر

دین صرف اللہ کی معرفت اور عبادت کا نام ہے اور اللہ وحدہ لاشریک کی معرفت و بندگی سے جاہل رہنے کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جاسکتا۔توحید و عبادت سے لاعلم اور جاہل رہنے والے کو (ظاہری اعتبار سے) کافر ہی سمجھا جائے گا اگر چہ وہ دارالاسلام میں رہنے والا ہو یا دارالحرب میں اسی طرح اس پر حجت قائم کی جائے یا نہ کی جائے وہ اپنے ظاہر کے لحاظ سے کافر ہی ہے اور اس حقیقت پر تمام ائمہ امت کا اتفاق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ o اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (سورۃ اعراف آیت:۱۷۲،۱۷۴)

''اور جب آپ کے رب نے آدم کی اولاد کو انکی پیٹھوں سے نکالا اور انہی کو اُنکی جانوں پر گواہ بنا کر پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو انہوں نے کہا ہاں! ہم اسکی گواہی دیتے ہیں یہ اس لئے کیا گیا کہ کہیں تم لوگ قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہمیں تو ان باتوں کی قطعی خبر ہی نہیں تھی یا یہ کہنے لگو کہ ہمارے باپ داداؤں نے اس سے پہلے شرک کیا تھا اور ہم ان کے بعد انکی اولاد ہی تو تھے (یعنی ہم نے وہی کرنا تھا جو ہمارے اباٗ واجداد کرتے تھے) تو کیا تو ہمیں ان باطل پرستوں کے اعمال کی وجہ سے ہلاک کر دے گا؟ اور ہم اپنی آیتوں کو اسی طرح کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ وہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں''

اس سلسلے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''روز قیامت ایک جہنمی شخص سے سوال کیا جائے گا اگر تمہارے پاس ساری زمین کی دولت ہوتو کیا تم اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کے لئے بطور فدیہ دے سکتے ہو؟ جہنمی جواب دے گا۔ ہاں ضرور تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے میں نے تجھ سے اس سے بھی کہیں آسان کام کا تقاضا کیا تھا جب تو ابھی آدم کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا' مگر تو نے اسکا انکار کیا اور میرے ساتھ شریک ٹھہرانے لگا۔ (اور اسطرح اُسے جہنم میں ڈالدیا جائیگا)

(مسند احمد جلد ۱۲۷:۳ مکتبہ المیمنیة ، کنز العمّا ل للمتقی الھندی مکتبہ الثراث الاسلامی حدیث نمبر ۲۸٦ ،تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ٦٠ ،جلد ۳ ص ۵۰۱ مکتبہ الشعب،البدایة والنھایة لإبن کثیر ج ۱ص ۱۹۰ مکتبہ دارالفکر)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم کی صلب (پیٹھ) پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک آنے والی تمام روحوں کو نکالا اور ان تمام ارواح عالم سے وعدہ لیا کہ تم میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا اور خالص میری عبادت کرنا۔

(مسند احمد ج۱:۲۷۲ ،حدیث :۲٤۵۵ ،سنن النسائی فی الکبریٰ ج٦:۳٤۷ حدیث: ۱۱۱۹۱)

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

ہر نومولود بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعد میں اسکے ماں باپ اسکو یہودی' عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔

(جامع ترمذی حدیث:۲۱۳۸ ـمکتبہ مصطفی الحلبی،السنن الکبری للبیھقی ج٦:۲۰۳ مکتبہ بیروت،ارواء الغلیل للعلامہ البانیؒ جلد۵:ص٤۹ ـالمکتب الاسلامی ،الکامل فی الضعفاء لإبن عدیؒ جلد ۱:حدیث: ۳۳۰،جلد۵:۱۷٤٤ مکتبہ دارالفکر بیروت، **اسی معنی میں مختلف الفاظ کے ساتھ دیکھیے**:صحیح بخاری ج۲ ص ۱۲۵ مکتبہ دارالفکر،تفسیر ابن کثیرؒ ج۲ ص۳٦۸)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو دین حنیف (اسلام) پر پیدا کیا ہے پھر شیطان نے ان کو انکے حقیقی دین سے گمراہ کر دیا تو میں نے بھی ان پر حلال کردہ چیزوں کو حرام کر دیا۔

(زادا المسیر لإبن الجوزیؒ ج ۹ ص ۳۹ ـمکتبہ دارالفکر بیروت)

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حدیث قدسی کو روایت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تم پر ساتوں آسمان و

زمین اور تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں کہ تم کل یہ نہ کہنا کہ ہم کو تو خبر ہی نہ تھی اچھی طرح جان لو کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میرے علاوہ کوئی پروردگار نہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا۔

(مسنداحمد ج:۵ ۱۳ ح:۲۱۵۵۲۔ اسی طرح فریابی نے کتاب القدر میں اس روایت کی۔أضواء المصابیح تحقیق وتخریج مشکوۃ المصابیح حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ، حدیث :۱۲۲)

امام ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''سلف اور خلف کے تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ارواح کی گواہی سے مراد انکا فطرت توحید پر پیدا ہونا ہے۔ آپ مزید لکھتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گواہی کو مشرکوں کے خلاف بطور دلیل پیش کریں گے۔ اور فطرت جس پر تمام لوگ پیدا ہوئے توحید باری تعالیٰ پر مستقل دلیل ہے۔''

امام بغویؒ اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں ''اللہ تعالیٰ نے ہم سے میثاق توحید اس لئے لیا کہ کہیں اے مشرکو! تم یہ نہ کہنے لگ جاؤ کہ ہمارے آباؤ اجداد نے شرک کیا اور وعدہ خلافی کی ہم تو انکی اولاد تھے انکے تابع دار تھے ہم نے تو ان کی اقتداء کی اور تمہارا یہ عذر کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ** یعنی ہم آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ بوجھ حاصل کریں **وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ** اور کفر سے توحید کی طرف لوٹ آئیں۔

ابن کثیرؒ مزید رقم طراز ہیں ''یہ مشرک روز قیامت یہ نہ کہیں کہ ہم تو جاہل تھے بے خبر تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ نے بنی آدم کو آدم کی صلب سے نکال کر ان سے گواہی لی کہ اللہ ہی ان کا رب ہے مالک ہے اور معبود برحق ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو فطرت پر پیدا فرمایا اور توحید کے سبب پیدا فرمایا امام قرطبیؒ تفسیر فرماتے ہیں کہ (ہم گواہی دیتے ہیں) یہ قول اولاد آدم کا ہے۔ مطلب اس قول کا یہ ہے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ! تو ہمارا رب اور معبود ہے انکا یہ کہنا کہ (تو کیا ہم کو ہلاک کر دے گا؟) کا مطلب ہے کہ اے اللہ تو اس طرح نہیں فرمایا اور توحید کے متعلق (مقلد) کوئی عذر نہیں پیش کر سکتا۔''

امام طبریؒ بھی تقریباً یہی تفسیر کرتے ہیں کہ ''اے توحید کا اقرار کرنے والو! ہم نے تم سے عالم ارواح میں گواہی اس لئے لی ہے کہ اللہ ہی تمہارا رب ہے تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ''ہم اس توحید سے غافل تھے''

یعنی ہم لاعلم تھے اور غفلت میں مبتلا تھے تم یہ نہ کہو کہ ہم تو اپنے مشرک آباواجداد کے منہج اور طریقے کی پیروی کرنے والے تھے اور یہ نہ کہو کہ اے اللہ کیا تو ہمیں ہمارے آباواجداد کے شرک اور ہماری جہالت کی بناء پر انکی پیروی کی وجہ سے ہمیں ہلاک کردے گا؟

امام بیضاوی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ''یعنی اس بات کو ناپسند کیا گیا ہے کہ لوگ کہیں کہ ہم تو غافل تھے اس توحید سے ہمیں تنبیہ نہ کی گئی یا تم کہو کہ شرک تو ہمارے آباواجداد نے کیا ہم تو ان کے پیچھے چلنے والے تھے (تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے) کیونکہ دلیل کے قیام اور علم کی موجودگی کے باوجود تقلید کرنا درست نہیں اور نہ اس تقلید کو بطور عذر پیش کرنا درست ہوگا۔''

تفسیر المنار کے مصنف (علامہ سید رضا مصریؒ) رقم طراز ہیں ''اے رسول ﷺ یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے میثاق فطرت و عقل لیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے انکی اولاد کو یکے بعد دیگرے نکالا اور انکو فطرت اسلام پر پیدا فرمایا۔ اور انکی طبیعتوں کو ایمان سے آشنا کیا اور انکی عقل و فہم میں اس بات کو ڈالا کہ ہر کام کا کوئی نہ کوئی فاعل (کام کرنے والا) ہوتا ہے اور ہر ایجاد کا ضرور کوئی موجد ہوتا ہے یہ کائنات اسباب پر چل رہی ہے تو لازم ہے کہ کوئی مسبب (اسباب بنانے والا) بھی ہوگا جو تمام کائنات کا حکمران اعلیٰ ہے وہی اول اور آخر ہے وہی عبادت کے لائق ہے اور جب اللہ نے ان لوگوں سے گواہی لی تو انہوں نے کہا کہ ﴿شَهِدْنَا﴾ یعنی ہاں! ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور بندگی کے لائق ہے۔''

مفسّر المنار مزید لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس گواہی اور اسکے سبب و علت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے آج تم سے گواہی اس وجہ سے لی ہے کہ ''کل تم یہ نہ کہو کہ ہم تو غافل تھے'' یعنی یہ گواہی تمہارے عذر کی روک تھام کے لئے تھی کہ تم شرک کے کرنے کے باوجود بھی یہی کہو کہ ہم توحید ربوبیت اور ساتھ ساتھ توحید الوہیت سے غافل و ناآشنا تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اس عذر کو قبول نہیں فرمائے گا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿اَوْتَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ﴾

یعنی ہم تو اپنے آباواجداد کے شرک و کفر سے غافل اور لاعلم تھے اسکو غلط ثابت نہ کرسکتے تھے لہٰذا ہم نے انکی اقتدا شروع کردی۔ ﴿اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ (سورۃ الاعراف آیت:۱۷۳)

یعنی اے اللہ انہوں نے تو شرک ایجاد کیا تو کیا ہمارا عذاب اور انکا عذاب یکساں ہوگا؟ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جہالت کا عذر قبول نہیں فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے آباؤاجداد کی تقلید کے کسی عذر کو قبول نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فطرت اسلام اور عقل پر پیدا کرنے کی حجت قائم فرمادی ہے اسی آیت کا دوسرا حصہ یہ ہے۔

﴿ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (سورۃ الاعراف آیت:۱۷۴)

''یعنی ہم نے اسی لئے اپنی آیات کو کھول کر بیان کیا ہے'' اور بنی آدم پر آیات و دلائل پیش کیے ہیں وہ اپنی عقل و فہم کو استعمال کریں اور اپنی جہالت اور تقلید کو چھوڑ کر توحید کی طرف لوٹ آئیں اور یہ آیات اس امر کی وضاحت بھی کرتی ہیں کہ اگر کسی تک رسالت نہ بھی پہنچے وہ پھر بھی اپنے شرک پر کوئی عذر پیش نہیں کرسکتا اور نہ وہ فحاشی و برائی کا ارتکاب کرسکتا ہے کیونکہ ہر فطرت سلیم ان برائیوں سے متنفر ہے اور جانتی ہے کہ ان سے عقل و خرد میں بگاڑ اور نقصان پیدا ہوتا ہے لیکن اگر کسی تک نہ رسالت پہنچے تو وہ صرف اس رسول کے طریقے کی مخالفت کا عذر پیش کرسکتا ہے کیونکہ یہ منہج صرف رسول کے ذریعے ہی مل سکتا ہے اور ہر خاص راستہ یا منہج عام عبادات کے متعلق ہے۔ (توحید سے متعلق نہیں ہے)

امام ابن قیمؒ اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں ''ہم اس آیت کی تفسیر کریں گے۔ لہٰذا ''جب وعدہ لیا تیرے رب نے'' کا مطلب ہوگا جب تیرا رب وعدہ لے گا اور اسی طرح ان کو گواہ بنایا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو عقل و فہم کی قوت دی ہے کل اسکو گواہ بنائے گا۔ ہر ذی فہم باشعور شخص اپنی عقل کے ذریعے جزا اور سزا کو پہنچان سکتا ہے ہر وہ شخص جو دنیا میں آیا بلوغت کی عمر تک پہنچا اسکو اچھے اور برے کی پہنچان ہوگی برائی کے برے انجام اور اچھائی کے فوائد اور جزا و سزا کو سمجھتا ہوگا (یعنی اللہ رب العالمین نے ہر پیدا ہونے والے کو فطرت اسلام پر پیدا کیا اور پھر اُسے اتنی عقل اور صلاحیت دی کہ وہ اِسے استعمال کرے کم از کم اپنے خالق و مالک اور معبودِ برحق کو پہچان سکتا ہے۔ اب اگر وہ دین سے لاپرواہی اور عقیدہ توحید سے غفلت کی بنا پر اپنے معبود برحق سے جاہل رہا یا اپنے آباواجداد کی اچھی بری تقلید میں مست رہا تو اس میں قصور اسی کا ہے۔ کل اللہ جل وعلیٰ کے سامنے وہ یہ عذر نہیں پیش کرسکتا۔) تو وہ گویا ایسے ہی ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے

میثاق توحید لے لیا ہو کیونکہ عقل دینے اور نشانیاں بنانے والا اللہ ہی تو ہے اور اسی چیز کو مکی سورۃ الاعراف (آیت:۱۷۳) میں ذکر کیا گیا ہے جس میں تمام مکلفّین (یعنی کل سب جن وانس نے اللہ کے سامنے جواب دینا ہے) کا اقرار اور وعدہ کرنا ذکر کیا گیا ہے جوانہوں نے اللہ کی ربوبیت اور وحدانیت کا اقرار اور شرک کے باطل ہونے کے متعلق کیا تھا یہ گواہی ان پر ایک حجت اور دلیل کی طرح ہے جس سے تمام تر عذر منقطع ہو جاتے ہیں اور اس گواہی کی مخالفت سے انسان سزا کا مستحق بن جاتا ہے''۔

امام ابن قیمؒ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ:

﴿اَوۡتَقُوۡلُوۡ آاِنَّمَآاَ شۡرَکَ اٰبَآؤُ نَامِنۡ قَبۡلُ﴾ (سورۃ الاعراف آیت:۱۷۳)

کا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس گواہی اور معرفت میں دو حکمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(1) پہلی حکمت یہ ہے کہ لوگ غفلت اور جہالت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

(2) دوسری حکمت یہ ہے کہ یہ مشرک کسی کی تقلید کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ غافل تو بے شعور ہوتا ہے اور مقلد اپنے علاوہ کسی اور کی اطاعت کرنے والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو اسکے اپنے نفس پر گواہ بنایا کہ اللہ ہی اس کا رب اور خالق ہے اور اس گواہی کو ایک دوسرے مقام پر بھی بطور دلیل بیان فرمایا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤۡ فَكُوۡنَ﴾ (سورۃ زخرف آیت:۸۷)

اے نبی اگر ان (مشرکوں) سے آپ سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے تو یہ لوگ کہاں بھٹک رہے ہیں یعنی یہ لوگ باجود اس اقرار کے کہ اللہ ہمارا رب وخالق ہے پھر بھی کیسے اس توحید سے بھٹک جاتے ہیں (بقیہ تفسیر گذشتہ صفحات پر بھی موجود ہے)

توحید سے جہالت احادیث کی روشنی میں؟

(2) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابن جدعان جہالت کے ایام میں صلہ رحمی کرتا اور مساکین کو کھانا کھلاتا تھا یہ نیکیاں اسکو فائدہ دیں گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ اس نے یہ کبھی نہ کہا کہ اے میرے رب مجھے قیامت کے دن معاف کردنیا (یعنی وہ توحید ربوبیت والوہیت کا قائل نہ تھا)۔

(صحیح مسلم کتاب الإ یمان ب ۹۲ حدیث حدیث رقم ۳۶۵ مکتبه عیسی الحلبی ،کنزالعمال للمتقی الهندی :۱٦٤۸۸، ۱٦٤۹۲ مکتبه التراث الإسلامی)

(2) امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ایک طویل حدیث کو ذکر کیا اسکا ایک حصہ درج ذیل ہے ''بنی منتفق کا ایک وفد تشریف لایا تو ایک شخص نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا دور جاہلیت میں فوت ہونے والوں کے کام انکی نیکیاں آئیں گی؟ ایک قریشی شخص کہنے لگا۔ واللہ تمہارا باپ منتفق جهنمی ہے مجھے تو اسکی بات سن کر گویا آگ لگ گئی کیونکہ اس نے تمام لوگوں کے سامنے میرے باپ کے بارے میں بات ہی ایسی کہی تھی میں نے ارادہ کیا کہ میں پوچھوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے والد کا کیا بنے گا پھر میں نے ذرا بہتر طریقے سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر والے؟ تو فرمایا ہاں! میرے گھر والے بھی (یعنی نبوت سے قبل فوت شدہ مشرک اور نبوت کے بعد آپ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ ماننے والے رشتہ دار' والدین بھی جہنمی ہیں۔) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ کی قسم'' تم کسی بھی قرشی دوسی یا عامری (عرب قبائل کے نام ہیں) قبر والے کے پاس جاؤ تو کہنا مجھے رسول اللہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تمہیں برے انجام کی خوشخبری دینے کے لئے تم اپنے منہ اور پیٹ کے بل جہنم کا ایندھن ہونگے میں نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکا کیا قصور؟ وہ تو اپنے خیالات کے مطابق اچھے کام ہی کرتے تھے فرمایا (انکو عذاب) اسوجہ سے ہوگا کہ اللہ نے ہر سات قوموں پر ایک نبی کو بھیجا ہے جو اپنے نبی کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ اور جو اطاعت کرے گا وہ ہدایت پا جائے گا۔ (مسند احمدؒ ج ۱٤:٤ ،الدّرا المنثو ر لسیوطیؒ ج ٦: ۲۹٤)

(3) صحیح مسلم میں اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے

پوچھا اے رسول اللہ میرا باپ کہاں جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا جہنم میں ہیں۔

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ شخص لوٹا تو رسول ﷺ نے بلا کر فرمایا میرا اور تمہارا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔(صحیح مسلم کتاب الإیمان٣٤٧،مسند احمدؒ ج ٣:١١٩ ۔٢٦٨)

ان تمام مذکورہ بالا احادیث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ رسول ﷺ کی بعثت سے قبل توحید سے غافل اور جاہل رہنے والے شخص کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ ان کے لئے دنیا کے ظاہری معاملات میں یہی حکم ہے اور آخرت میں بھی اللہ کے ہاں کوئی عذر قبول نہ ہوگا کیونکہ مذکورہ بالا احادیث رسول ﷺ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔

(4) امام احمدؒ اپنی مسند میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا کڑا دیکھا تو آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ یہ کمزوری کی وجہ سے پہنا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسکو اتار دو! یہ تو کمزوری کو بڑھاتا ہے اور اگر تم اسی حالت میں مر گئے تو کامیاب نہ ہوگے۔ (الترغیب والترھیب للمنذریؒ ج ٤:٣٠٧ مکتبہ مصطفی الحلبی)

امام محمد بن عبدالوہابؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ اجمعین کے کلام سے اس قسم کی شہادتیں ملتی ہیں کہ شرک اصغر کبیرہ گناہوں میں سب سے بہت بڑا گناہ ہے۔شرک اصغر کے بارے میں جہالت کا عذر پیش نہیں کیا جا سکتا' (ذرا سوچیئے! جب شرک اصغر کے مرتکب پر کوئی عذر قابل قبول نہیں تو شرک اکبر کے مرتکب کا حال کیا ہوگا؟۔

(5) مسند احمدؒ میں طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

صرف ایک مکھی کی وجہ سے ایک شخص جنت اور دوسرا جہنم میں داخل ہوا دریافت کیا گیا کہ یہ کیسے اللہ کے رسول ﷺ؟ فرمایا دو شخص ایک بت پرست قوم کے پاس سے گذرے۔قوم والوں نے کہا آگے جانے سے قبل ہمارے بت پر کسی چیز کی قربانی دو۔ایک شخص نے کہا میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے لوگوں نے کہا۔ چاہے مکھی کی قربانی دو اس شخص نے مکھی کی قربانی دی تو قوم والوں نے اسکا راستہ چھوڑ دیا وہ شخص تو اس وجہ سے جہنم میں داخل ہوا دوسرے نے کہا کہ میں اللہ کے علاوہ کسی کے لئے کوئی چیز قربان نہیں کرسکتا بت پرست نے اسکو قتل

کر دیا وہ شخص اس شہادت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوا۔(یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں بلکہ سلمان پر موقوف ہے۔دیکھئے: فتح المجید بتحقیق عبدالقادر الأرناؤوت)

(الزھدللإمام احمدبن حنبل رحمه اللهص:٣٢،حلیته الأولیاء لأبی نعیمؒ ج ١:٢٠٣)

صاحب فتح المجیدؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں اس حدیث میں شرک سے احتراز واجتناب کرنے کا حکم دیا جارہا ہے کیونکہ انسان بعض اوقات شرک میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اسے معلوم بھی نہیں ہوتا آپ مزید لکھتے ہیں جہنم میں جانے والا شخص اس فعل سے پہلے مسلمان تھا کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو یہ نہ کہا جاتا کہ وہ صرف مکھی کی قربانی کی وجہ سے جہنم میں گیا۔یعنی اس نے یہ عمل کر کے کفر کا ارتکاب کیا اور جہنم میں داخل ہوا۔

توحید کے بارے میں جہالت سے متعلق علماء کے اقوال

[1] امام قرافئی مالکیؒ نے ''الشرح'' میں جہالت کے متعلق اہم کلام کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اصول دین (توحید وغیرہ) میں جہالت کو قبول نہیں فرمائے گا مزید لکھتے ہیں'' جہالت کی دو اقسام ہیں:

(1) پہلی قسم کی جہالت وہ ہے جو قابل معافی ہے اس کے مرتکب سے درگزر کیا جا سکتا ہے اسکا قانون یہ ہے کہ ''ہر وہ جہالت جس سے بچنا مشکل ترین ہوجائے قابل معافی ہے اس جہالت کی کئی صورتیں ہیں مثال کے طور پر کوئی شخص رات کے اندھیرے' کسی اجنبی عورت کو اپنی بیوی یا لونڈی سمجھتے ہوئے' جماع کر بیٹھے تو اس سے درگزر کیا جائے گا اس بارے میں تفتیش لوگوں کے لیئے مزید تکلیف کا باعث ہوگی۔

(2) دوسری قسم کی جہالت وہ ہے جو کسی بھی صورت میں قابل معافی نہیں ہے' اس کے مرتکب سے صاحب شریعت (یعنی رسول اللہ ﷺ) نے درگزر نہیں فرمایا اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ جہالت جس سے اجتناب کرنا مشکل اور تکلیف دہ نہ ہو تو وہ قابل معافی نہیں ہے اصول دین اصول فقہ اور بعض فروعی مسائل اسی قسم میں شامل ہیں۔ جہاں تک اصول دین کی بات ہے تو واضح رہے کہ اعتقادات میں صاحب شریعت نے بہت سختی کی ہے تمام اعتقادات (توحید وعبادات) سے جہالت برتنے والا شخص کافر ہوگا اگر چہ اپنی جہالت کو

ختم کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش وکاوش اور محنت صرف کردے اور اس کے باوجود بھی وہ عقیدہ توحید سے جاہل ہی رہے۔علماء کی مشہور رائے کے مطابق ایسا شخص گناہ گار کافر ہوگا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

(2) امام وھبۃ الزحیلی حفظہ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہیں: دوسری قسم کی جہالت ایسی ہے جسکے بارے میں شریعت میں کسی قسم کی نرمی نہیں کی گئی اور اسی جہالت کے مرتکب کو معاف نہیں کیا جائے گا اس قسم میں اصول دین اصول فقہ اور بعض احکام شرعی شامل ہیں اصول دین میں جہالت معتبر نہیں ہے ہر ایک پر سوال اور علم کے ذریعے صحیح عقیدے کو حاصل کرنا فرض ہے اور جو شخص جاہلیت کے نظریات پر جما رہا وہ سخت گنہگار ہوگا کیونکہ صاحب شریعت نے دین کے بنیادی اصول وقوانین کے متعلق بہت سختی کی ہے حتیٰ کہ کوئی شخص اگر اپنی کوشش وکاوش سے (صحیح عقیدہ کی معرفت وعلم کے لئے) اجتہاد کرتے رہے اور عقیدہ حق کے بجائے کوئی غلط گمراہ عقیدہ اختیار کرتا ہے تو وہ مشہور مذاہب کے مطابق کافر ہوگا۔اصول دین میں کوئی اجتہادی غلطی قبول نہ ہوگی شیخ محمد ابوزھرہؒ لکھتے ہیں۔

پہلی قسم کی جہالت میں بھی کوئی عذر قبول نہ ہوگا اور اس رائے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔علماء اصول نے غیر مسلم کی توحید سے جہالت کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔

معارج القبول کے مصنف فرماتے ہیں ''کفر درج ذیل چار اقسام کا ہوتا ہے۔''

(1) کفر کرنا جہالت وتکذیب کی بنا پر۔

(2) انکار اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کفر کرنا۔

(3) سرکشی اور بغض وعناد کی وجہ سے کفر کرنا۔

(4) کفر کرنا نفاق کی بنا پر۔

مذکورہ بالا کوئی بھی قسم کا کفر ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے'' اور اگر دل سے اللہ کی تصدیق نہ ہو اور توحید سے لاعلمی بھی ہو تو اس قسم کے کفر کو کفر جہالت وتکذیب کہتے ہیں۔

اس سلسلے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ﴾ (سورۃ یونس آیت: ۳۹)

بلکہ وہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علم میں نہیں لائے۔

اور ابھی تک کوئی نتیجہ نہ ملا اور دوسری آیت ہے۔

﴿اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (سورۃ النمل آیت: ۸۴)

(اللہ تعالیٰ فرمائے گا) تم نے میری آیتوں کو باوجود یہ کہ تمہیں ان کا پورا علم نہ تھا کیوں جھٹلایا اور یہ بتاؤ تم کیا کرتے رہے اس سلسلے کے بارے میں شیخ محمد بن عبدالوھاب علیہ الرحمۂ توحید اور شرک کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں میں تمہیں اللہ سے خوف وتقویٰ کی ہدایت کرتا ہوں تم جان لوگے کہ انسان لاعلمی جہالت میں اپنی زبان سے کلمہ کفر کہہ دیتا ہے لیکن اسکی جہالت اور لاعلمی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام ابن القیم علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اسلام اللہ کی توحید، عبادت، ایمان باللہ، ایمان بالرسول، اور اتباع قرآن وحدیث کا نام ہے جو ان تمام عقائد کو نہ مانے وہ مسلمان نہیں اگر وہ سرکش کافر نہیں تو کم از کم جاہل کافر ضرور ہے ایسے طبقے کے لوگ اسلام دشمن نہیں ہوتے لیکن وہ کافر جاہل ضرور ہوتے ہیں انکا غیر معاندانہ رویہ ان کو کفر سے محفوظ نہیں رکھتا کیونکہ کفر تو توحید ورسالت کے انکار کا نام ہے اب یہ انکار جہالت کی وجہ ہو یا بغض و عناد، یا تقلید آباؤاجداد کی وجہ سے ہو' سب کا نتیجہ یکساں اور برابر نکلتا ہے امام صنعانی علیہ الرحمہ اس دور کے مزاروں اور اولیاء کی پوجا کرنے والے مشرکوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''اگر تم سوال کرو کہ کیا یہ قبروں' مزاروں' اولیاء فاسق وفاجر بے راہ رو مشرکین کے معتقد حضرات اور بت پرست ایک جیسے ہیں تو میں جواباً کہوں گا ہاں! یہ آپس میں ایک جیسے ہی ہیں انکے نظریات یکساں ہیں بلکہ کبھی کبھی یہ قبر پرست لوگ اپنے عقیدۂ اطاعت اور بندگی کے لحاظ سے بت پرستوں سے دو ہاتھ آگے نظر آتے ہیں۔

اگر تم دوبارہ سوال کرو کہ۔ان قبر پرست حضرات کا تو یہ کہنا ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھراتے' کسی کو اللہ کے برابر نہیں سمجھتے اور اولیاء اللہ کے حضور التجاء وعاجزی کرنا انکا معتقد رہنا شرک نہیں تو میں جواب میں یہ آیت پڑھوں گا۔

﴿ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ (سورۃ ال عمران آیت ۱۶۷)

''یہ منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے''

ان کی یہ جہالت شرک ہی تو ہے اولیاء کی تعظیم میں حد سے آگے بڑھنا۔انکی قبروں پر جانوروں کو قربان کرنا شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا تو فرمان ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (سورۃ العصر آیت:۲)

نماز پڑھ اپنے رب کے لئے اور قربانی کر" یعنی عبادت اور قربانی صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے غیر اللہ کے لئے نہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک اور فرمان ہے۔

﴿ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَلِلّٰهِ فَلاَ تَدْعُوْامَعَ اللّٰهِ اَحَداً﴾ (سورۃ الجن آیت:۱۸)

"یقیناً یہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں سو تم اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو"۔

اور رسول ﷺ نے تو ریا کاری کو بھی شرک قرار دیا ہے تو کیا غیر اللہ کے لئے قربانی اور نذر و نیاز شرک نہیں ہے؟ اور یہ تمام اعمال جو اولیاء کے حضور کئے جاتے ہیں وہی اعمال مشرکین اپنے بتوں کے لئے کرتے ہیں وہ بت پرست مشرک ٹھہرے تو کیا یہ قبر پرست مشرک نہیں؟ ان کا یہ کہنا کہ ہم شرک باللہ نہیں کرتے انکو کچھ فائدہ نہ دیگا کیونکہ انکا عمل خود انکی تکذیب کر رہا ہے۔

اور اگر تم اعتراض کرو کہ وہ تو جاہل ہیں انہیں خبر ہی نہیں کہ وہ شرک کر رہے ہیں تو میں جواب دوں گا کہ فقہاء کرامؒ نے کتب فقہ (مرتد کے حکم) میں یہ صراحت فرمادی ہے کہ "جو شخص کفریہ کلمہ نکالتا ہے تو وہ کافر ہے اگر چہ اسکا ارادہ کفر کا نہ ہو یہ صراحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ قبر پرست نہ تو اسلام کی حقیقت سے واقف ہیں اور نہ ہی توحید کو جانتے ہیں لہٰذا یہ پکے کافر ہیں۔اور اگر تم یہ سوال کرو کہ جب یہ مشرک ٹھہرے تو ان کے ساتھ جہاد کرنا چاہیئے اور ان کے ساتھ وہی سلوک رکھنا چاہیئے تو رسول ﷺ نے مشرکین مکہ سے رکھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ ائمہ علم نے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ علماء فرماتے ہیں پہلے پہل ان کو توحید کی دعوت دی جائے (کیونکہ دیگر کفار کی بہ نسبت یہ جاہل قبر پرست دعوت توحید کے زیادہ مستحق اور ضرورت مند ہیں ہے کوئی انکو توحید سے آشنا کرنے والا؟؟ از مترجم)

جہالت کا اسلام کی حقیقت پر دائرہ اثر

جہالت کا حقیقی توحید میں کس حد تک اعتبار کیا جاتا ہے؟ اور یہ جہالت توحید پر کس قدر اثر انداز ہوتی ہے اور جن احکام کا تعلق اخروی جزا و سزا سے ہے ان پر جہالت کا دائرہ اثر ہے یا نہیں ان تمام مباحث میں۔

علماء نے تفصیلی گفتگو فرمائی ہے جو درج ذیل ہے علماء کا اختلاف دو نکات پر ہے۔

(1) احکام اسلام کی بنیاد (یعنی وہ احکام جو آخرت کے جزا و سزا کے متعلق ہیں)

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ احکام شریعت کی بنیاد صرف عقل پر ہے اور انسان کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ توحید کا ادراک کرے لہٰذا ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ غور و فکر کے ذریعے حق کو تلاش کرے آخرت میں۔ حساب و کتاب انسانی عقل و شعور کی بنیاد پر لیا جائے گا حتیٰ کہ جس تک کسی رسول کی دعوت توحید بھی نہ پہنچی ہو (پھر بھی اس سے حساب آخرت ہوگا کیونکہ اللہ نے اسکو عقل تو دی تھی۔

معتزلہ اور جمہور احناف کا بھی یہی نظریہ ہے۔امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں "مخلوق میں سے کسی کا اپنے خالق کے بارے میں جہالت کا عذر قبول نہیں کیا جا سکتا تمام مخلوقات پر لازم ہے کہ وہ اپنے پروردگار اور اسکی وحدانیت کی معرفت حاصل کرے اور یہ معرفت و علم حاصل کرنے کا ذریعہ آسمان و زمین کی تخلیق" تمام مخلوقات اور بذات خود اپنی پیدائش پر غور و فکر ہے۔اللہ تعالیٰ اور توحید کی معرفت کے بعد باقی مسئلہ احکام اسلام کا ہے تو جس شخص کے پاس صحیح علم نہ پہنچ پایا اور اسکو معلوم نہ ہو سکے تو اسکے خلاف حجت یا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

علامہ شنقیطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ کافر جہنم میں جائے گا۔اگر چہ اسکی موت زمانہ فترۃ ("فترۃ" اس دور کو کہتے ہیں جب روئے زمین پر کوئی نبی نہ تھا جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رسول ﷺ کی بعثت سے قبل کا درمیانی عرصہ ۔جن لوگوں تک توحید و اسلام کی دعوت نہ پہنچ پائی ہو۔ہم اسے آگے صرف زمانہ فترۃ لکھیں گے۔از مترجم) میں ہوتی ہو۔امام نوویؒ شارح صحیح مسلم نے اسی رائے کو مضبوط قرار دیا ہے۔"

امام قرافی علیہ الرحمۃ نے" شرح التنقیح "میں دور جاہلیت (یعنی زمانہ فترۃ) کے فوت شدگان کے جہنمی

ہونے پر اجماع امت کا دعویٰ نقل فرمایا ہے (جیسا کہ ''نشر البنود'' کے مصنف نے ان سے بیان فرمایا ہے۔)

(اضواء البیان، ج۲:ص:۲۵۱)

بعض لوگوں نے اس نظریہ پر اعتراض کیا ہے کہ جن لوگوں تک پیغام رسالت نہ پہنچا ہوان کو عذاب کیونکر دیا جائے گا حالانکہ فرمان الٰہی ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (سورۃ بنی اسرائیل آیت:۱۵)

''ہم نہیں عذاب دینے والے جب تک کسی رسول کو مبعوث نہ کریں''۔

علماء نے اس اعتراض کے متعدد جواب دیئے میں جو ہم زیر نظر سطور میں ذکر کیئے دیتے ہیں۔

(1) اس آیت میں جس عذاب کی نفی کی جارہی ہے اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے۔

جس طرح نوح، ھود، صالح، لوط، شعیب اور موسیٰ علیہم السلام کی قوموں کو دنیاوی عذاب سے دوچار کیا گیا یہ آیت عذاب آخرت کے منافی نہیں ہے۔ یہ قول مفسرین قرآن امام قرطبیؒ، ابوحیانؒ، امام شوکانیؒ اور دیگر مفسرین کا ہے۔ (اضواء البیان للعلامہ شنقیطیؒ ج۲:ص:۲۵۱)

(2) زمانہ فترۃ کو اس آیت سے ثابت کرنا صحیح نہیں ہے یہ آیت مکمل وضاحت نہیں کرتی۔ ہر صاحب عقل ذی شعور شخص پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں۔ بتوں کے پجاری زمانہ فترۃ کو بطور عذر پیش نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ان کا رب، خالق اور رازق ہے وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ بت کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن یہ مشرکین اپنے آپ کو دھوکے میں مبتلا رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بت ہم کو اللہ کے قریب کردیں گے اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی بن کر ہماری بگڑی بنادیں گے۔ عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان سے عذاب الٰہی کا انکار نہ کیا جائے۔

(3) ہر قوم کا کوئی نہ کوئی ڈرانے والا ہوتا ہے اگر زمانہ فترۃ میں کوئی نبی نہیں تو سابقہ دور میں ضرور کوئی نبی گذرا ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ سے قبل حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے اگر کسی نبی کے ذریعے کوئی حجت قائم کرنی ہے تو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے ہی حجت قائم ہوگی امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور ابن قاسم العبادی ''الایات البینات'' میں بھی اسی طرف مائل نظر آتے ہیں۔

(4) صحیح مسلم کی بعض احادیث (جو کتاب ھذا کے ابتدائی صفحات پر موجود ہیں) اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے بعض فوت شدگان جہنمی ہیں۔

اس کے برعکس بعض جمہور اہل سنت کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ''رسالت کی حجت کو قائم کیئے بغیر نہ تو دنیا میں کسی کو عذاب دیگا اور نہ ہی آخرت میں امام ابن قیم علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں ''اللہ تعالیٰ بغیر کسی دلیل کے کسی کو عذاب نہ دے گا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (سورۃ بنی اسرائیل آیت:۱۵)

ہم نہیں عذاب دینے والے جب تک کسی رسول کو مبعوث نہ کریں'' اس بات کا ذکر قرآن میں اکثر مقامات پر موجود ہے کہ عذاب الٰہی صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جن تک رسالت کی دعوت پہنچ جائے اور حجت قائم ہوجائے۔

مفسر قرآن شیخ امین شنقیطیؒ رقم طراز ہیں۔

یقیناً اللہ رب العزت کسی کو عذاب نہ تو دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں دیگا جب تک کوئی رسول نہ آجائے۔ جولوگوں کو عذاب آخرت سے ڈرائے۔ لوگ اس کی نافرمانی کریں۔ باوجود ڈرانے اور خوف دلانے کے اپنے کفر ومعصیت پر ڈٹے رہیں پھر اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل فرماتا ہے۔

(تفسیر اضواء البیان للعلامہ شنقیطیؒ ج۲:ص:۲۴۹ ''تحت ھذہ الآیۃ المذکورۃ'' طبعۃ دار احیاء التراث العربی)

آپ مزید لکھتے ہیں قرآنی آیات اس بات کی تصریح کرتی ہیں کہ رسول کی بعثت اور تبلیغ اور دلائل کی موجودگی کے بغیر کوئی عذاب نہ آئے گا انکی فطرت میں عقل ہے یا نہیں اس پر انحصار نہیں کیا جائے گا بلکہ جب تک رسولوں کی تبلیغ کے ساتھ کوئی حجت قائم نہ ہوجائے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہ دیگا۔ اس لئے تو فرمایا کہ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (سورۃ بنی اسرائیل آیت:۱۵)

یعنی جب تک ہم رسول نہ بھیجیں یہ نہیں فرمایا کہ ''جب تک ہم عقل پیدا نہ کریں اور عقل وشعور کو انکی فطرت میں واضح نہ کریں اُس وقت تک عذاب نہ آئے گا''

مفسر قرآن شیخ امین شنقیطیؒ مزید رقم کرتے ہیں ''یہ مذکورہ بالا قرآنی آیات اور اسی مفہوم کی دیگر آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ زمانہ انقطاع وحی میں رہنے والے لوگ معذور ہیں کیونکہ ان تک کوئی ڈرانے والا نہ آیا تھا۔ اگرچہ انکی موت حالت کفر پر ہوئی۔ اہل علم کی ایک جماعت نے یہی رائے اختیار کی ہے۔''

شیخ امین شنقیطیؒ آگے فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے دوسرے رائے کو ترجیح دی ہے کہ جو بھی شخص حالت کفر میں مراوہ جہنمی ہے۔ اگرچہ اس تک کوئی ڈرانے والا آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ (اضواء البیان ج۲:ص:۲۵۰)

جن تک دعوت توحید نہ پہنچ پائی ہو' ان کا وجود ممکن؟

کیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کا وجود بھی ممکن ہے جن تک دعوت توحید کسی بھی صورت میں نہ پہنچ پائی ہو؟؟

زیر نظر سطور میں اس سوال کے مختلف جوابات ذکر کیے گئے ہیں۔

[1] ایک جماعت علماء کی رائے یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے ایسے لوگوں کا وجود ممکن نہیں ہے اگرچہ عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی ہے۔

ان کے دلائل مندرجہ ذیل آیتیں ہیں:

(1) ﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾ (سورۃ فاطر آیت:۲۴)

''کوئی امت ایسی نہیں جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو''

(2) ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (سورۃ رعد آیت:۷)

''(اے نبی ﷺ) آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے کوئی نہ کوئی رہنما ہے''

(3) ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾
(سورۃ نحل آیت:۳۶)

''درحقیقت ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا ہے (اس لئے کہ) تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو''

(4) ﴿كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ 0 قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَ نَا نَذِيْرٌ﴾ (سورۃ ملک آیت:۸)

جب بھی جہنم میں لوگوں کو ڈالا جائے گا تو (جہنم کا) داروغہ ان سے سوال کرے گا کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا؟ تو وہ کہیں گے ہاں! واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔

(5) ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ (سورۃ الانعام آیت:۱۳۰)

''اے جنات اور انسانوں کی جماعت کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی پیغمبر نہیں آئے تھے۔ جو تم سے میرے احکام بیان کرتے اور تم کو آج کے دن کی خبر کرتے تھے''

اور رسول اللہ ﷺ ''بنی المنتفق'' کے وفد والی حدیث میں بیان فرماتے ہیں انکو عذاب اس لئے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر سات قوموں میں کوئی نہ کوئی نبی بھیجا ہے لہٰذا جو اپنے نبی کی نافرمانی کرے وہ گمراہ اور جو اطاعت و فرمانبرداری کا مظاہرہ کرے وہ ہدایت یافتہ ہے۔

(مسند احمدؒ ج ١٤:٤ ،الدّرا المنثو ر لسیوطیؒ ج ٦: ٢٩٤)

(معنی یہ ہے کہ کوئی ایسی قوم نہیں کہ جسمیں رسول نہ آیا ہو۔ اور جہاں تک اہل فترۃ کا تعلق ہے تو وہ بھی آزاد نہیں تھے بلکہ سب سے آخر میں آنے والے نبی کے تابع تھے اور وہ احکام میں تو معذور ہو سکتے تھے کیونکہ عرصہ دراز گذر جانے کے باعث احکام و مسائل مسخ کیے جا چکے تھے لیکن عقیدہ توحید کے اختیار کرنے میں کسی قسم کی کوئی مجبوری بھی قبول نہ ہوگی۔ حدیث مذکور پر غور کیا جائے تو معنی آسانی سے سمجھ میں آجائے گا کہ نبی کی اطاعت و نافرمانی سے مراد سابقہ آخری نبی ہے۔)

مذکورہ بالا دلائل سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے ایسے لوگوں کے وجود سے انکار کیا ہے جن کو اہل فترۃ کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ایسے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں جب کوئی نبی موجود نہ تھا یعنی اسوقت وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا دو نبیوں میں طویل عرصے تک انقطاع رہنے کی وجہ سے تمام شریعتیں مٹ چکی تھیں۔ اور انبیاء کی دعوت و رسالت کے نقوش مانند پڑ چکے تھے بعض علماء نے مسند احمد کی ''چار افراد والی حدیث'' سے

زمانہ فترۃ کے وجود پر استدلال کیا ہے لیکن علماء حدیث نے اس روایت کو صحیح قرار نہیں دیا ہے۔

حدیث درج ذیل ہے۔

سیدنا اسود بن سریع فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ''روز قیامت چار قسم کے لوگ آئیں گے ایک بہرا، دوسرا پاگل، تیسرا بڑھاپے کی وجہ سے حواس باختہ سٹھیایا ہوا اور چوتھا وہ شخص جو زمانہ فترۃ میں فوت ہوا یہ سب اللہ کے حضور دلیل بیان کریں گے'' بہرا کہے گا اے اللہ اسلام دنیا میں آیا لیکن میں کچھ سن نہ سکتا تھا۔ پاگل کہے گا اے میرے رب! جب اسلام آیا تو اس وقت مجھے بچے پتھر مارا کرتے تھے۔ (یعنی مجھے دیوانہ مجنوں سمجھتے تھے۔) حواس باختہ شخص کہے گا جب اسلام آیا تو مجھے کچھ عقل نہ تھی میں اسلام کو سمجھ نہ پایا۔ زمانہ انقطاع وحی میں فوت شدہ کہے گا میرے پاس تو کوئی رسول ہی نہیں آیا اللہ تعالیٰ ان سے اطاعت کے وعدے لے گا اور بطور آزمائش ان کے پاس اپنا پیغمبر بھیجے گا۔ اور وہ پیغمبر انہیں حکم فرمائے گا کہ آگ میں کود جاؤ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں مجھ محمد ﷺ کی جان ہے جو شخص بھی آگ میں کود جائے گا وہ آگ اس پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی۔ (بحواله تفسير ابن كثير۔ مسند احمد)

امام قرطبی علیہ الرحمتہ آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۱۵) کی تفسیر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ احکام اسلام۔ شریعت کی بنیاد پر ہوتے ہیں نہ کہ عقل کی بنیاد پر۔ جیسا کہ معتزلہ کا نظریہ ہے کہ عقل ہی کسی چیز کو اچھا برا یا حلال وحرام قرار دیتی ہے۔ اس آیت کے بارے میں جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت صرف دنیاوی عذاب کے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ رسالت وتبلیغ کی حجت کے بغیر دنیا میں کسی قوم کو تباہ وبرباد نہیں فرماتا۔

اسکے برعکس ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اس آیت سے مراد دنیاوی واخروی دونوں غداب ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے 'جب بھی جہنم میں لوگوں کو ڈالا جائے گا تو ان سے جہنم کا داروغہ سوال کرے گا کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا؟۔ تو وہ جواباً کہیں گے ہاں ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا''۔

ابن عطیہ علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں ''جو شخص غور وفکر سے کام لے گا تو اسکو معلوم ہو جائے گا کہ آدم علیہ السلام توحید کی اشاعت اور اپنی اولاد میں عقیدہ توحید ہی کو پھیلانے کیلئے مبعوث کیئے گئے تھے۔ باوجود اسکے کہ فطرت سلیمہ اور

صانع وخالق کائنات کی معرفت کے لئے دلائل موجود تھے۔ پھر بھی ہر شخص کے لئے اللہ پر ایمان اور شریعت خداوندی کی اتباع کو فرض قرار دیا گیا (نہ کہ صرف عقل وشعور ہی کو کافی سمجھا گیا۔) آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کفار کے غرق کیے جانے کے بعد اسی شریعت وتوحید کی تجدید فرمائی۔''

اور اسی مذکورہ بالا آیات سے یہ لفظی احتمال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کا وجود ممکن ہے جن تک رسالت نہ پہنچ پائی ہو۔ (ایسے لوگوں کو اہل علم اہل فترۃ کہتے ہیں جبکہ جہاں تک چار لوگوں والی مذکور حدیث کا تعلق ہے تو وہ روایت ضعیف ہے صحیح نہیں) کیونکہ آخرت دار العمل نہیں ہے دنیا دار العمل ہے۔ اور یہی شریعت کا تقاضا ہے۔

امام مہدوی علیہ الرحمتہ نے بھی بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ایک اور حدیث نقل کی ہے۔ جو ایسے ہی الفاظ پر مشتمل ہے کہ اللہ رب العزت روز قیامت، گونگے، بہرے، اخرس، اور اہل الفترۃ کی طرف رسول مبعوث کرے گا۔ پس جو دنیا میں اس رسول کی اطاعت کرتا وہ اس دن بھی رسول کی اطاعت کرے گا۔

پھر اس مذکوہ آیت کی تلاوت فرمائی۔ امام مہدوی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں۔ یہ روایت موقوف ہے اور دوسری سورۃ طٰہٰ کی تفسیر میں مذکورہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں حافظ ابن عبد البرؒ جو بلا نزاع حافظ مغرب ہیں کا قول نقل کیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں ''اس موضوع کی کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے ان سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی اہل علم ان احادیث کی صحت کا انکار کرتے ہیں کیونکہ آخرت امتحان وآزمائش کا گھر نہیں بلکہ دار جزا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اسکی استطاعت کے مطابق حکم دیتا ہے آگ میں داخل ہونا انسان کے بس کی بات نہیں (بحوالہ ابن کثیرؒ)

نتیجہ کلام! قابل ترجیح۔ اس نظریے کے معتقدین کے نزدیک۔ بات یہی ہے کہ کسی بھی صورت میں ایسے لوگوں کا وجود ممکن نہیں جن تک توحید کی تبلیغ نہ پہنچ پائی ہو۔ کیونکہ آیات قرآنی کا عمومی حکم یہی ہے کہ ہر قوم اور ہر شخص کے پاس رسول آئے اور حجت قائم ہوئی اور دنیا ہی دار العمل ہے (آخرت تو صرف جزا وسزا کی جگہ ہے)۔ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ کی مختلف تشریحات کی گئی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(1) اس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہو رہا ہے وہ دنیا وآخرت دونوں کے لئے عام ہے اس عذاب کو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت وحکمت کے ساتھ نازل فرماتا ہے لیکن چونکہ اللہ رب العزت عادل مطلق ہے۔

وہ بغیر کسی دلیل و حجت کے کسی پر عذاب نازل نہیں فرماتا۔اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں [1] ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کافر پر عذاب آخرت نازل فرمائے گا تو ضرور اس پر کوئی نہ کوئی دلیل قائم ہوگی۔اور یہی دستور عذاب دنیا کا ہے۔اور اسی دلیل کو قائم کرنے اور عذر کو ختم کرنے کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل کو ڈرانے اور تبلیغ کرنے کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات پر آیات مذکور ہیں یہ آیت سابقہ حقیقت کو مزید ثابت کرتی ہے یہ عملی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاء تمام لوگوں کے لئے آتے ہیں۔یہ آیت اس شرط کو ختم نہیں کرتی کہ عذاب صرف انکو ہوگا جن تک دعوت پہنچی اور انکو نہیں جن تک نہ پہنچی ہو۔

کیونکہ ایسے لوگوں کا وجود ہی نہیں ہے۔اور یہی دیگر دلائل وآیات کا تقاضا ہے۔

(2) اور اگر یہ آیت صرف عذاب دنیا پر لاگو ہوتی ہے تو اس سے مراد ہلاکت اور زمینوں کی تباہی اور بربادی (یعنی دنیوی تباہی) ہے۔

جمہور علماء کا یہی قول ہے۔یا اس آیت میں ان فروعی احکامات کا ذکر ہے جو صرف شریعت ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔اور یہ آیت فقہ کا ایک قاعدہ بھی وضع کرتی ہے کہ ''احکام صرف شریعت (حکم الٰہی) کے ذریعے

---

[1] اس مفہوم کی روایت مسند احمد ج ۴/ ۲۴ میں موجود ہے۔اس میں قتادہ مدلس ہے لہٰذا سند ضعیف ہے۔اس روایت کو قتادہ نے حسن سے اور حسن نے اسود سے روایت کیا مگر قتادہ اور حسن نے سماع کی تصریح نہیں کی (مدلس کی روایت درست ہونے کے لئے تصریح سماعت ہونا ضروری ہے۔)اس بحث کیلئے۔کشف الاستا رفی زوائد البزار ۳۳/ ۳ دیکھیں۔اور قتادہ نے حسن سے اور حسن نے ابورافع اور ابورافع نے ابوہریرہ سے یہ روایت بیان کی ہے۔دیکھیئے بزار ۳۳/ ۳ اس روایت کی سند بھی ضعیف ہے۔مسند احمد کی روایت میں قتادہ نہیں ہے۔مسند احمد ۲۴/ ۴ اس روایت کو علی بن زید جدعان نے ابورافع اور ابورافع نے ابوہریرہ سے بھی بیان کیا ہے۔ابن ابی العاصم السنۃ دیکھیں۔حدیث نمبر ۴۰۴ اس میں علی بن زید مشہور اور ضعیف ہے الہٰذا سند ضعیف ہے۔اسی روایت کو جریر عن لیث عن ربدالوارث عن انس یہ مالک کی سند سے بھی بیان کیا جاتا ہے دیکھیئے بزار ۳۴/ ۳ اسکی سند بھی ضعیف ہے کیونکہ لیث ضعیف اور عبدالوارث مولی انس منکر الحدیث ہے۔اس روایت کو فضیل بن مرزوق عن عطیہ (العوفی) عن ابی سعید کی سند سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔دیکھیئے بزار، ۲۱۷۶،اس کی سند بھی ضعیف ہے۔معلوم ہوا کہ یہ تمام روایت سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔(جناب حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ)

ہی ثابت ہوتے ہیں''

(1) امام نیشاپوریؒ بھی ایسا ہی نظریہ رکھتے ہیں۔انکا قول ہے ''اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ہم صرف ان اعمال جنکو صرف شریعت ہی لاگو کرتی ہے۔کو نہ کرنے پر اس وقت تک کوئی سزا نہیں دیتے جب تک کوئی رسول نہ آجائے۔

امام طبریؒ فرماتے ہیں۔''اس آیت میں فرائض واحکام اسلام اور فروعی مسائل کی بات کی جارہی ہے جو خاص طور پر صرف رسالت وشریعت کے ذریعے ہی نافذ کیئے جاتے ہیں۔''

اب رہا مسئلہ حدیث اربعہ (وہ چار قسم کے لوگ جن کا بروز قیامت امتحان ہوگا) کا تو امام قرطبیؒ ابن عطیہؒ اور ابن عبدالبرؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار نہیں دیا ہے۔(یہ روایت خبر دار واحد ہے۔اب سوال اٹھتا ہے کہ کیا خبر واحد قرآن کی تخصیص کرسکتی ہے یا نہیں؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مطابق صرف صحیح سند والی خبر واحد قرآن کے عام حکم کو خاص کرسکتی ہے۔امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق قرآن کو کسی صورت خاص نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کے نزدیک عام حکم بھی قطعی ہے۔امام مالکؒ کے نزدیک خبر واحد کے ساتھ ساتھ اگر عمل اہل مدینہ بھی ہو تو کسی عام حکم کو خاص کیا جاسکتا ہے۔وگرنہ وہ روایت ضعیف کھلائے گی)۔

جب حدیث اربعہ دیگر نصوص کی مخالفت کررہی ہے تو اس حدیث میں توقف کرنا اور اس مسئلے کو اللہ کے سپرد کرنا بہتر ہے یہ حدیث مخالفت ہی نہیں کرتی بلکہ سنداً بھی قوی نہیں ہے۔

امام مالک نے بھی ایک حدیث ''جب کتا برتن کو چاٹ لے تو وہ ناپاک ہوجاتا ہے۔''
پر توقف اختیار کیا ہے اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے۔لیکن یہ روایت امام صاحب کے اصول کی معارض ہے۔

وہ اصول ''طہارت کے سبب کا زندہ رہنا'' ہے۔

(صحیح مسلم طهارة ۹۳،سنن ابی داؤد ۷۳ طبعةمرقعه ،سنن نسائی ج ۱: ۵٤،۱۷۷)

وہ اپنے اصول کو اس آیت ﴿فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ (سورۃ المائدہ آیت: ۴)
یہ شکاری کتے جن جانوروں کو تمہارے لئے روک کر رکھیں (خود مار کر نہ کھا جائیں) ان کو تم بھی کھاؤ سے

ماخوذ کرتے ہیں۔اسی طرح حضرت عائشہؓ نے حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت ''میت پر اس کے گھر والوں کی آہ و پکار سے عذاب ہوتا ہے'' کو رد کر دیا تھا۔

(صحیح بخاریؒ کتاب الجنائز حدیث ۱۲۸۸، ۳۹۷۸،اسی طرح یہ حدیث صحیح مسلم وغیرہ میں بھی ہے)

اس لئے یہ روایت اس آیت کی مخالفت کر رہی ہے وہ آیت یہ ہے۔

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل آیت:۱۵)

''(روز قیامت) کسی کا گناہ کوئی دوسرا نہ اٹھائے گا''۔

(2) بعض علماء کا نظریہ اس سے برعکس ہے۔ان کے نزدیک عقل اور شرعی اعتبار سے ''اھل فترۃ'' کا وجود ہے جو علماء،حدیث اربعہ کو صحیح قرار دیتے ہیں اور اس سے استدلال کرتے یں۔ان علماء میں سرفہرست امام ابن کثیرؒ ہیں وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔''اس موضوع کی احادیث میں سے بعض صحیح ہیں۔ایک سے زیادہ علماء نے اسکو صحیح قرار دیا ہے کچھ حسن درجے کی روایات ہیں اور بعض ضعیف ہیں۔''

جو دوسری احادیث کی تقویت کے لئے پیش کی جا سکتی ہیں۔جب اس سلسلے کی تمام احادیث ایک دوسرے کو مضبوط کرتی اور تقویت پہنچاتی ہیں۔تو یہ ایک قطعی حجت اور دلیل بن جاتی ہیں۔امام ابن کثیرؒ نے اس قول کی نسبت امام اشعری علیہ الرحمہ اور امام بیہقی علیہ الرحمۃ کی طرف کی ہے۔(اضواء البیان ج۲:ص۲۵۴،۲۵۵)

اسی طرح امام ابن حزم علیہ الرحمۃ نے بھی الاحکام میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور لکھتے ہیں ''اگر کسی شخص تک رسول کا ذکر نہ پہنچ پایا ہو اگر وہ موحد (یعنی مشرک نہیں ہے اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتا۔ عقیدہ توحید میں پکا ہے) ہے تو ان پر کوئی عذاب نہ ہوگا کیونکہ وہ اپنے ابتدائی فطرت کے مطابق مومن ہے اور جنتی ہے اور اگر وہ لوگ موحد نہیں تو ان کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے کہ ان کے لئے آگ بڑھکائی جائے گی اور آگ میں داخل ہونے کا حکم ملے گا۔جو آگ میں کود گیا وہ نجات پا جائے گا جس نے انکار کیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔''

امام ابن قیمؒ رقم طراز ہیں۔اللہ کی حجت کا قیام مختلف زمانے،مقام اور اشخاص پر مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔کبھی کبھی ایک قوم،جگہ،مقام اور افراد پر حجت قائم ہوتی ہے دوسروں پر نہیں۔

کبھی بعض لوگوں میں عقل وفہم وفراست زیادہ ہوتی ہے اور بعض میں نہیں ہوتی۔کوئی ابھی بچپن میں ہے اور کوئی مجنوں پاگل ہے۔مثال کے طور پر کوئی شخص نہ تو بات سمجھ پاتا ہے اور نہ ہی اسکی ترجمانی کرنے والا موجود ہوتا ہے۔ وہ ایک طرح سے بہرے کی مانند ہے جو نہ تو کسی بات کو سن پاتا ہے اور نہ ہی سمجھنا اسکے لئے ممکن ہوتا ہے تو اس کا شمار حدیث اربعہ میں سے ہوگا جو روز قیامت اللہ کے حضور دلیل قائم کریں گے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات پر سیدنا اسود اور ابو ہریرہؓ کی روایات گذر چکی ہیں۔

مفسر قرآن شنقیطیؒ لکھتے ہیں۔زمانہ انقطاع وحی میں رہنے والے مشرک معذور ہوں گے یا نہیں؟ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔اور اللہ تعالیٰ روز قیامت ایک آگ کے ذریعے انکا امتحان لے گا انکو آگ میں کود جانے کا حکم ملے گا۔جو بات مان لے گا وہ ایسے ہی ہے کہ گویا اگر اسکے پاس دنیا میں رسول آتے تو وہ تصدیق کرتا اور اس شخص کو جنت کا پروانہ راہ داری عطا کیا جائے گا۔اور جو آگ میں داخل ہونے سے انکار کر دے تو اسکو عذاب دیا جائے گا کہ اگر اسکے پاس دنیا میں پیغمبر آتے تو انکو جھٹلا دیتا۔

اس جمع وتطبیق سے تمام دلائل متفقہ ہو جاتے ہیں۔لہٰذا خلاصہ کلام یہ کہ زمانہ فترۃ کے لوگ معذور ہوں گے۔ ابتلاء وآزمائش کے بعد بعض جنتی اور بعض جہنمی بن جائیں گے۔(اضواء البیان ج۲:ص۲۵۴)

مفسر قرآن شنقیطیؒ مزید لکھتے ہیں ''ابن کثیر علیہ الرحمۃ کی بھی یہی رائے ہے کہ اہل فترۃ سے عرصہ حشر میں امتحان لیا جائے گا۔جو کامیاب ہوگا وہ جنتی ہے۔اسکے نامہ تقدیر میں چھپی ہوئی سعادت وخوش بختی منکشف ہو جائے گی۔اور جو امتحان میں ناکام ہو گیا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔اسکی بدبختی کے بارے میں علم الٰہی کھل کر سامنے آجائے گا۔یہ قول گذشتہ گذری ہوئی تمام احادیث (جو باہم ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں) کے عین مطابق ہے۔ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری اور حافظ ابوبکر بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں بھی اسی قول کی تائید کی ہے۔اور اس فہرست میں بہت علماء اور حافظ حدیث بھی شامل ہیں۔

اس موضوع پر ابن کثیر علیہ الرحمۃ کا کلام بہت واضح ہے ''آپ مزید لکھتے ہیں ''جہاں تک ممکن ہو سکے دو متعارض دلیلوں میں جمع وتطبیق کرنی چاہیئے۔کیوں کہ دونوں دلائل پر عمل پیرا ہونا کسی ایک دلیل کو منسوخ کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور یہ جمع صرف اسی قول سے ممکن ہے کہ ''عذر قبول کر کے امتحان لیا جائے گا۔

(اضواء البیان ج ۲ : ص ٤ ٥ ٢)

(اس سے دونوں اعتراض ختم ہو جائیں گے۔ کہ ایک گروہ یہ کہے گا اے اللہ ہم تو جاہل تھے دنیا میں ہمیں آزمایا ہی نہیں گیا۔

اور دوسرا اعتراض یہ کہ بغیر دلیل قائم کیے اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتا۔ لہٰذا آزمائش بھی ہو گی اور حجت بھی قائم ہو گی۔" از مترجم)

(اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ علماء نے زمانہ فترۃ کی جو تفصیلات مہیا کی ہیں کیا ہمارے زمانے کے خود ساختہ جہلاء پر صادق آتی ہیں یا نہیں۔ ذرا غور کیجئے۔)

"زمانہ فترۃ" اس دور کو کہتے ہیں کہ جب تمام انبیاء کی شریعتیں مٹ چکی تھیں۔ انبیاء کی دعوت کے نقش و نگار ماند پڑ چکے تھے۔ عموماً لوگ کسی نبی کی دعوت یا اسکی تعریف کو جاننے والا نہ تھا۔ حتیٰ کہ حق کے متلاشیوں کے لئے کوئی ہادی کوئی راہ نما ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا تھا علم کے حصول کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے اب ذرا آیئے اس دور حاضر پر نگاہ دوڑائیں' ہمارے اس زمانے میں قرآن حکیم کی شب و روز تلاوت کی جاتی ہے۔ ہر گلی کوچے میں مساجد کے مینار نظر آتے ہیں۔ ایسی کتابیں جن سے دین کو سیکھا جا سکے لاکھوں کی تعداد میں ہر جگہ دستیاب ہیں۔ دور سابقہ اور دور حاضر کے بڑے بڑے علماء اس کے علاوہ ہیں جنہوں نے عوام الناس پر دین کی تبلیغ کی حجت کو قائم کر دیا ہے۔ جنہوں نے اپنی زندگیوں کو دین کی راہ میں وقف کر دیا ہے جو حق کی راہ میں ہر آزمائش اور کٹھن راہوں کا خندہ پیشانی سے سامنا کرتے ہیں جو ہر آن ہر لمحہ دین کی نشر و اشاعت میں مصروف رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: ﴿ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ 0 رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ 0 قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ 0 اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِىْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ 0 فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِىْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ 0 ﴾ (سورۃ مومنون آیت ۱۰۶ تا ۱۱۰)

"کہیں گے اے پروردگار ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی واقعی ہم تھے ہی گمراہ اے ہمارے رب ہمیں

یہاں جہنم سے نجات دے اگر اب بھی ہم ایسا کریں تو ہم ظالم ہوں گے۔ اللہ فرمائے گا رسوا ہو کر اسی میں رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔ میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو کہتی رہی اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو بڑا مہربان ہے۔ لیکن تم انکا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے پیچھے تم میری یاد کو بھلا بیٹھے اور تم ان سے طنز و مزاح ہی کرتے رہے"۔

لہٰذا اہل فترۃ کا ہمارے اس دور پر قیاس کرنا ہرگز کسی صورت میں درست نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا اس دور میں وجود ختم ہو چکا ہے۔ اس دور میں تو آپس کے تعلق اور رابطے کے بہت سے جدید اور بہترین وسائل و ذرائع سامنے آ چکے ہیں۔ کوئی بھی شخص پلک جھپکنے سے قبل کسی بھی خبر' اور افکار و نظریات کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچا سکتا ہے اور حاصل بھی کر سکتا ہے۔

ہمارے دور میں اہل فترۃ کا وجود نہیں رہا۔ اگر بفرض محال وجود ممکن بھی ہو تو پھر بھی ان سے دلیل پکڑنا درست نہیں۔ اس بات کو ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔ ہم کو چاہیے کہ ہم قدیم و جدید علماء کے اقوال و افکار کو یکجا کریں اور ہر قول کو اسکے حقیقی مقصد پر اس طرح لاگو کریں کہ کوئی حقیقت چھپ نہ سکے اور زمانہ فترۃ کے احکامات ان لوگوں پر منطبق کریں جو حکم شرعی کے مکلّف نہیں ہیں۔ نہ کہ ایسے لوگوں پر جو حکم شرعی پر عمل کرنے کے پابند ہیں اور (انکو کوئی مجبوری و عذر بھی نہیں ہے۔)

اور پھر جو حضرات زمانہ فترۃ کے وجود کے قائل ہیں وہ اہل فترۃ کو دو اقسام پر تقسیم کرتے ہیں۔

(1) پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو اپنے دور کے مشرکوں کی پیروی کرتے اور انکے ہم نوا نظر آتے تھے۔ شرک کے علاوہ کسی اور دین حق کی تلاش کی کوشش بھی نہ کرتے (یعنی انکے دل میں دین حق کو تلاش کرنے کی تڑپ ہی نہیں تھی بلکہ وہ اتنے غافل تھے کے اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید ہی میں پڑے رہے اسکو اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ آیا جسے ہم دین سمجھتے ہیں اسمیں کوئی حقیقت بھی ہے کہ نہیں غرض دنیا کے مقابلے میں جہاں دین و مذہب کی بات ہوئی وہ اپنی غفلت ہی میں مگن رہنے اور تقلید ہی کو کافی سمجھتے)۔ یہ الگ بات ہے کہ اس دور میں دین موجود ہو یا نہ ہو۔

(2) دوسری قسم ان لوگوں پر مشتمل ہے جنہوں نے اپنے دور کے مشرکین اور برے لوگوں کو دیکھا

اوران سے کنارہ کش ہوگئے ۔لیکن انہیں کوئی ایسا دین بھی نہ ملا کہ جس کے ذریعے وہ اپنے رب کی عبادت کرتے ۔کیونکہ ان کے دور میں رسالت کا کوئی وجود نہ ملتا تھا۔

پہلی قسم کے لوگ معذور نہیں ہیں ان پر سورۃ بنی اسرائیل کی آیت:﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ یا حدیث اربعہ کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔البتہ دوسری قسم کے لوگ اگر موحد ہوں اور شرک سے پرہیز کرتے ہوں لیکن کسی بھی شریعت کی عدم موجودگی کی وجہ سے جاہل رہ گئے ہوں تو وہ (انشاء اللہ) روز قیامت نجات پاجائیں گے۔

رسول ﷺ کی بعثت سے قبل عرب میں ایسے حق کے متلاشیوں کی مثالیں موجود ہیں۔اوراگر یہ حضرات غیر اللہ کی عبادت نہ کرتے ہوں اور شرک سے توقف اختیار کرتے ہوں لیکن باوجود تمام تر کوششوں اور جدوجہد کے اُنہیں کوئی دین صحیح نہ ملا ہوتو ایسے لوگ بھی آیت بنی اسرائیل اور حدیث اربعہ میں شامل ہوں گے۔

امام شاطبیؒ مسئلے کو یوں سمیٹتے ہیں ’’اہل فترۃ میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے آباؤاجداد کی پیروی کرتے تھے ۔اور غیر اللہ کی عبادت میں اپنے اہل زمانہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔اسی لیئے علماء کرام نے انکو دوطبقوں میں شمار کیا ہے۔

(طبقہ اول) ایک طبقہ ایسے لوگوں کا تھا جن کو عبادت الٰہی کے لئے کوئی شریعت نہ ملی۔انکی عقل جس عمل کو بھی قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتی وہ اس پر عمل پیرا ہوجاتے ۔وہ اپنے دور کے لوگوں کا ان مستحسن اعمال میں ساتھ دیتے تھے لیکن دین حقہ کے حصول پر کامیاب نہ ہوئے۔ایسے لوگ جنت کے حصول کے حق دار ہیں۔ اور اس آیت (ہم نہیں عذاب دینے والے جب تک کوئی رسول معبوث نہ کریں) کے عام حکم کے تحت عذاب سے مستثناء ہیں۔

(طبقہ دوم) دوسرے قسم کے ایسے لوگ ہیں جو غیر اللہ کی عبادت میں شبہات کا شکار ہوگئے ۔ انہوں نے اپنی عقل کے ساتھ حلال وحرام کو سمجھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے اہل باطل کے اعتقادات کی موافقت شروع کردی ۔علماء کے نزدیک ایسے لوگ معذور نہیں ہیں ۔ بلکہ ان کے اور انکے زمانہ کے مشرکوں کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا جائے گا ۔ کیونکہ انہوں نے تمام اعمال (دوستی، دشمنی،

عبادات) میں اپنے آپ کو مشرکوں جیسا بنالیا تھا لہٰذا ان کو مشرکوں میں شمار کیا جائے گا۔

امام ابن قیمؒ مزید وضاحت فرماتے ہیں۔آپ ’’جہالت اور تقلید کا کفر‘‘ کے مسئلے پر بحث کے دوران ایسے لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو کسی وجہ سے علم دین کے حصول پر کامیاب نہ ہوسکے۔آپ نے بھی ایسے لوگوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

(1) **﴿پہلی قسم﴾** کے لوگ ہدایت کے متلاشی، حق کے لئے سرگرداں رہنے والے ہیں۔لیکن نہ تو حق کو پاسکے اور نہ ہی وہ اسکی استطاعت رکھتے تھے کیونکہ اس وقت وہ ہادی، راہبر ہی موجود نہ تھا۔یہی لوگ اصحاب فترۃ کہلاتے ہیں جن کو دعوت توحید نہ مل سکی۔یہ لوگ دعا گو رہتے اور کہتے تھے۔اے ہمارے رب اگر ہمیں کوئی اچھا اور بہتر دین ملتا تو ضرور ہم اپنے طریقے کو چھوڑ کر بہتر دین کو اختیار کرلیتے۔لیکن ہم ماسوائے اس راہ کے کوئی اور راستہ جانتے بھی نہیں۔یہی ہمارے علم کی انتہا اور کوشش وکاوش کی آخری حد ہے۔

(2) **﴿دوسری قسم﴾** کے لوگ اپنے مشرکانہ دین پر راضی رہتے تھے۔نہ تو کبھی کسی دوسرے مذہب کو ترجیح دیتے اور نہ کسی دین حق کی تلاش کرتے ۔اب زرا دیکھیے حق دونوں کو نہ ملا کوئی دین حق کے حصول میں عاجز تھا یا قادر دونوں میں کوئی فرق نہیں۔لیکن پہلی قسم کے لوگوں نے زمانہ انقطاع وحی میں دین کو تلاش کیا مگر کامیاب نہ ہوسکے ۔ بہت جدوجہد اور کوشش کے بعد ناکام اور لاعلم رہے ۔ اور اسکے برعکس دوسری قسم کے لوگوں نے تو کبھی کوشش ہی نہ کی اور جہالت وشرک ہی میں مرگئے ۔ حالانکہ اگر دین حق کے حصول کی کوشش کرتے تو دین ان کو بھی نہ ملتا مگر طالبانہ عاجزی اور بے پرواہی وہٹ دھرمی کی عاجزی میں بہت فرق ہے۔

آخر کار ہمیں سوچنا چاہئے کہ مذکورہ بالا تمام اختلافات صرف اور صرف احکام آخرت کے بارے میں ہیں۔ یعنی جاہلین توحید کے ساتھ روز قیامت جزا اور سزا کے معاملات کیسے ہوں گے (صرف اس کے متعلق علماء کے مابین اختلافات موجود ہیں) وگرنہ ان کے دنیاوی اور ظاہری اعتبار سے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں حکم صرف ظاہر کی بنیاد پر ہی لگایا جاتا ہے۔

اسی سلسلے میں ابن القیم رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔صرف اسی کو عذاب دے گا جس پر حجت رسالت قائم ہوجائے گی تمام مخلوق کے ساتھ

قطعی طور پر ایسا ہی ہوگا۔ انفرادی طور پر یہ حکم لگانا کہ زید اور عمر پر حجت ثابت ہو چکی یا نہیں یہ ممکن نہیں۔

ایسا کرنا اللہ اور اسکے بندوں کے درمیان مداخلت شمار ہوگا۔ بلکہ ہمیں تو صرف یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ ''ہر وہ شخص جو دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرتا ہے وہ کافر ہے۔'' اور اللہ رب العزت دلیل و حجت قائم کیئے بغیر کسی کو عذاب نہ دے گا۔ کسی خاص شخص کو معین کر کے اسکے عذاب و ثواب کا حکم لگانا اللہ تعالیٰ ہی کے دائرہ اختیار میں ہے۔ اور دنیاوی احکامات میں تو ظاہری حالت دیکھ کر ہی حکم لگایا جاتا ہے۔

امام ابن قیم علیہ الرحمتہ کا اس باب میں یہ فیصلہ کن کلام ہے۔

عزیزان گرامی۔ ہم اولاً مسلمان ہیں اور ثانیاً اللہ کی طرف دعوت دینے والے۔ ہم کسی کے بارے میں جزا اور سزا کے متعلق اپنی زبانوں کو نہیں کھول سکتے بلکہ یہ معاملہ اول تا آخر اللہ ہی کے ذمے ہے لیکن ہم تو احکام شرعی کے اعتبار سے کفر اور اسلام کے متعلق بحث کر رہے ہیں۔ ہمیں اس بارے میں ظاہری اور حقیقی فرق کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے کہ احکام دنیا (کفر اور اسلام) ایک الگ مسئلہ ہے اور احکام آخرت (سزا اور جزا) ایک بالکل جدا معاملہ ہے۔

شریعت کے اصول میں جہالت کا دائرہ اثر!

یہ باب شریعت کے اصول و قوانین کے بارے میں جہالت اختیار کرنے کے متعلق ہے۔

''اصول'' ان قواعد و ضوابط کو کہتے ہیں جو نصوص (قرآن و حدیث) سے ثابت ہوں یا قرآن مجید کے بغور مطالعہ ''تحقیق اور چھان بین سے اخذ کردہ قطعی مسائل سے ثابت ہو رہے ہوں۔ ان اصول و قوانین میں ''متواتر احادیث''، عقلی طور پر ثابت شدہ صفات باری تعالیٰ، اجماع امت کے مواقع اور فروعی مسائل میں دین کا ضروری علم شامل ہیں۔

ان اصول سے جاہل رہنے والے کو حجت قائم کرنے سے قبل کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔ اسکی تفصیل اور درپیش مسائل کا مکمل جائزہ درج ذیل ہے۔

(1) اگر احکام اسلام کا مکلّف (پابند) ایسی جگہ میں رہتا ہے جہاں پر قرآن وسنت کے علم کا حصول

آسانی سے ہو سکے (جیسے دارالاسلام) اور وہ (پھر بھی جاہل رہے) تو گنہگار رہو گا۔ اسکی جہالت پر کوئی عذر قبول نہ کیا جائے گا۔ اور اگر وہ ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جس پر کوئی حد مقرر ہے تو وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ اگر چہ یہ گناہ (غلط) تعبیر کرنے سے ہوا یا بغیر کسی تاویل و تعبیر کے ہوا۔

(2) اگر احکام شریعت کا مکلّف ایسی جگہ میں رہتا ہے جہاں قرآن وسنت کا علم میسر نہ ہو سکے (جیسے دارالحرب) تو وہ ان اصول سے جاہل رہنے کی وجہ سے گناہ گار نہ ہوگا اور اسکا عذر بھی قبول کیا جائے گا۔ لیکن ایسے شخص کو ان احکام و قوانین کی تبلیغ کر دی جائے اور اس پر حجت قائم ہو جائے۔ اور وہ پھر بھی انکاری ہو قولاً او عملاً تو وہ بلاشبہ کافر ہے۔ **''علم کے میسر'' ہونے سے مراد یہ ہے کہ علم کی موجودگی کا امکان اور گمان ہو۔ اس بات کی شرط نہیں لگائی گئی کہ حقیقی طور پر علم کی موجودگی ثابت ہو جائے۔**

الشیخ عبدالقادر عودہؒ لکھتے ہیں '' صرف اس قدر علم کافی ہے جس سے حرام کردہ اشیاء کا علم ہو جائے۔ جب انسان عاقل بالغ ہو اور حرام کردہ اشیاء کا علم با آسانی حاصل کر سکتا ہو (قرآن و حدیث کے مطالعے یا علماء سے سوال و جواب کے ذریعے) تو اسکو عالم ہی سمجھا جائے گا۔''

اسکو یہ لائق نہیں دیتا کہ وہ جہالت کا عذر یا لاعلمی کا شکوہ کرے اس باعث فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ دارالاسلام میں احکام اسلام سے جاہل رہنے کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اسی لئے ایسے نصوص کا علم جن سے محرمات کا علم ہوتا ہے کو ہی کافی سمجھا گیا ہے **اور علم کے حصول سے امکان کی شرط لگائی گئی ہے۔ اب کوئی علم سے واقفیت اختیار کرے یا نہ کرے اور حقیقتاً علم موجود ہو یا نہ ہو۔ اس کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی۔**

شیخ محمد ابوزہرہ رقم طراز '' قرآن، تواتر اور اجماع امت کی نصوص سے ثابت شدہ محرمات و ممنوعات سے جہالت برتنا گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔''

ڈاکٹر وھبتہ الزحیلی لکھتے ہیں۔'' کل روز قیامت جہالت کو بہانہ بنانے والوں کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جاہل کو جان بوجھ کر عمداً گناہ کرنے کے مترادف سمجھا جائے گا۔ کیونکہ پابند شریعت کے لئے جائز نہیں کہ وہ بغیر علم کے کوئی عمل کرے۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔﴿ فَلَا تَقْفُ مَالَیْس لَکَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل آیت:۳۶)

''جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہوا سکے پیچھے مت پڑو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نامعلوم احکامات کی پیروی سے منع فرمایائے۔ اور آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شریعت کے حقیقی علم کے بغیر کوئی عمل جائز نہیں۔

اوراسی بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(المعجم الکبیر لطبرانیؒ ج ۱۰: ۲۴۰، البدایۃ والنهایۃ لإبن کثیرؒ ج ۱۱: ۳۲۲، الدّر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ لسیوطی ۱۰۵ طبعۃ الحلبی، الضعفیاء للعقیلیؒ ج ۲ :۵۸ ج ۳: ۱۰ ۴ ج ۴ : ۲۵۰، العلل المتناھیۃ لإبن الجوزی ج ۱: ۵۴ تا ۶۲، ۱۵۵)

''اورامام مالکؒ کا قول ہے۔'' نماز یا دیگر عبادات سے جاہل رہنے والے کو دانستہ اور جان بوجھ کر گناہ کرنے والے کے برابر سمجھا جائے گا۔ نہ کہ اسکو بھولنے والا سمجھا جائے گا۔''

امام مالکؒ اصول فقہ اور دیگر قطعی قواعد کے بارے میں فرماتے ہیں ''اصول فقہ بھی اصول دین میں شامل ہے۔ مجتھد (اجتہاد کرنے والا) اصول فقہ سے جاہل رہنے کا کوئی عذر پیش نہیں کرسکتا۔ بلکہ وہ گنہگار ہوگا۔ اسکو کافر نہیں بلکہ فاسق و فاجر کہا جائے گا۔ اور امام شافعیؒ سے بھی ''رسالہ'' میں ایک قول نقل ہے'' مغلوب العقل'' (پاگل) کے علاوہ کوئی بھی دارالاسلام رہتے ہوئے متواتر احادیث سے ثابت شدہ مسائل سے جاہل نہیں رہ سکتا اور اسی طرح سے احناف سے یہ رائے منقول ہے'' اصول شریعت سے جہالت پر عذر پیش کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن اس جہالت سے کفر لازم نہیں ہوتا۔ جس طرح علماء نے قرآن وحدیث کے خلاف جو اجتہادی فیصلے دیئے ہیں' انکی مخالفت کرنے میں اپنے جاہل رہنے کا عذر پیش کرنا، اور (اپنی جہالت کی بناپر) کسی ایسی سنت کی مخالفت کرنا جو معاشرے میں غیر معروف ہو۔ جیسے وضو کرتے وقت ''بسم اللہ'' پڑھنے کو دانستہ ترک کرنے کو جائز سمجھنا اور'' بھولنے'' پر قیاس کرنا۔ ایسی قسم کی تمام تر جہالتیں غیر موزوں ہیں۔'' (یعنی اس قسم کی جہالت ناجائز ہے اور اس جہالت کو عذر کے طور پر پیش کرنے والے غیر معذور ہیں انکا عذر نہ تو دنیا میں قابل قبول ہے اور نہ ہی آخرت میں مقبول ہوگا۔)

عمداً (جان بوجھ کر) جاہل رہنے یا قرآن وسنت کی غیر معروف تاویل کرنے کے بارے میں تاریخ اسلام

میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سیدنا قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کا درج ذیل واقعہ بہت مشہور ہے'' سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا قدامہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا۔

قدامہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے ماموں بھی ہیں۔ انکے گورنر مقرر ہونے کے بعد سیدنا جارود مدینہ تشریف لائے اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے۔

اے امیر المومنین' قدامہ شراب ہی کے نشے میں مبتلا رہے جب میں نے اللہ کی حد کو پامال ہوتے دیکھا تو آپ تک پہنچا دیا۔ اس بات پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا جارود کی اہلیہ سیدہ ہند بنت ولید نے قدامہ رضی اللہ عنہ کے خلاف گواہی دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ میں تم کو بطور حد کوڑے لگاؤں گا۔ قدامہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم اگر میں نے شراب پی بھی ہوتی تو بھی تم مجھ پر حد جاری نہیں کر سکتے تھے۔ پوچھا وہ کیوں؟ قدامہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا﴾

(سورۃ المائدہ آیت:۹۳)

''ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز کا کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ تقویٰ رکھتے ہوں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اے قدامہ رضی اللہ عنہ تم نے اس آیت کی غلط تفسیر کی' اگر تم واقعی اللہ سے ڈرتے تو اللہ کی حرام کردہ اشیاء سے اجتناب کرتے۔ پھر آپ نے اسکو بطور سزا کوڑے لگوائے۔

یہ واقعہ اگر چہ سیدنا قدامہ رضی اللہ عنہ کی غلط تاویل کے متعلق ہے۔ لیکن بعض وجوہات کے اعتبار سے اس بات کی دلالت بھی کرتا ہے کہ شراب کے متعلق صحیح حکم آپ کے علم میں نہ تھا۔ اس لئے آپ نے ایک غلط تفسیر سے اجتہاد کی کوشش کی لیکن اسکو قبول نہ کیا گیا۔ کیونکہ اس دور میں احکام شریعت کے بارے میں علم کے حصول کے ذرائع وسیع تھے۔ کبار اہل علم صحابہ مثلاً سیدنا عمر، علی، ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین' موجود تھے انہیں سے سوال کیا جا سکتا تھا یہ تمام دلائل ایک عمومی قاعدے اصول پر دلالت کرتے ہیں کہ'' حصول علم کے امکان کے بعد جہالت کا کوئی عذر پیش نہیں کیا جا سکتا۔''

لیکن یہ اصول ضرور ذہن نشین ہونا چاہیے کہ ''اگر کوئی گنہگار' غیر معذور جاہل علم کی دستیابی کے مقام پر رہتا ہو یا کوئی معذور اور بے گناہ جاہل حصول علم کے عدم دستیابی والے مقام (دارالحرب یا مسلمانوں سے دور کوئی مقام) پر رہتا ہو۔ مگر وہ علم حاصل ہونے اور دلیل و حجت کے قائم کے ہونے بعد بھی اپنے کفر پر ڈٹا رہے اور انکار کر دے تو وہ شخص بلا اختلاف رائے کافر ہوگا۔ اس منکر کے کفر کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ وہ قطعی (حتمی) ثابت شدہ احکامات کا منکر ہے۔ احکامات عموماً دو طرح کے ہوتے ہیں۔

(1) جو قطعی یا ظنی طور پر ثابت شدہ ہوں۔

(2) ایسے احکامات جو قطعی یا ظنی طور پر دلالت کرتے ہوں۔

ان کی مزید تفصیل درج ذیل ہے۔

(1) کچھ احکامات ایسے ہوتے ہیں جو قطعی طور پر ثابت ہوتے ہیں اور انکی دلالت بھی حتمی اور نہ تبدیل ہونے والے ہوتی ہے۔ یعنی اس حکم کی سند میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا اور اس کا کوئی دوسرا معنٰی یا مفہوم بھی نہیں نکلتا۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَئٍ قَدِيْرٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''

(ایک تو یہ خبر قطعی طور پر قرآن کی آیت سے ثابت ہے اور دوسری یہ ہے کہ یہ آیت اللہ کی قدرت' پر دلالت کرتی ہے جس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں)

(2) بعض احکامات و مسائل ثابت تو قطعی طور پر ہوتے ہیں لیکن جس چیز پر دلالت کرتے ہیں وہ ''ظنی'' ہوتی ہے وہ مسئلہ ایسا ہوتا ہے جسکی سند میں تو کوئی شک و شبہ نہ ہو لیکن اس حکم کے کئی مفہوم و توجیہات ہوں جیسے یہ آیت ﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (سورۃ بقرہ آیت: ۲۲۷)

''اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین قروء تک روکے رکھیں۔''

اس آیت میں بعض کے نزدیک ''قروء'' کا مطلب حیض ہے اور بعض کے نزدیک طہارت ہے۔

(3) مسئلہ ظنی الثبوت ہو مگر دلالت قطعی ہو۔ مثلاً ایسی احادیث جو خبر واحد سے ثابت ہوتی ہیں لیکن

اسکا مفہوم واضح ہوتا ہے جیسے بنی کریم ﷺ نے اعتدال اور سکون سے نماز نہ ادا کرنے والے اعرابی کو تین بار نماز دھرانے کا حکم فرمایا۔ (صحیح بخاریؒ ج ۱: ۱۹۲، ۱۹۳، ۶۹۱۸، ۱۶۹، صحیح مسلمؒ: صلوٰۃ: ۴۵)

اس حدیث سے نماز کے ارکان اعتدال سے ادا کرنے کا حکم قطعی یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے۔

(4) ایسا مسئلہ جو ظنی الثبوت بھی ہو اور دلالت بھی ظنی طور پر کرتا ہو۔ مثلاً شریعت کے فروعی مسائل کے متعلق وارد شدہ اخبار احاد ہیں ان میں بعض خاص اور کچھ مقید کرنے والی ہوتی ہیں۔ جس طرح وضو کو ترتیب سے مکمل کرنے کی احادیث ہیں۔

اور انکے برعکس دوسری حدیث ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سر کا مسح کرنا بھول گئے تھے تو آپ نے وضو ل مکمل کرنے کے بعد یاد آنے پر مسح کیا۔ اس خاص حدیث سے پہلی روایت کو مقید کر دیا۔

ان مسائل میں پہلے نمبر پر جو مسئلہ قطعی الثبوت اور قطعی الدّ لالۃ ہے۔ اسکا انکار کرنا کفر کو لازم کرتا ہے۔ اور اسی طرح اہل شریعت میں جو قطعی قواعد ہیں یا جو قواعد، نصوص (قرآن سنت) کے بغور مطالعے اور چھان بین سے استدلال کردہ ہیں۔

مثلاً شراب اور زنا کی حرمت، نماز، روزہ، حج، زکوۃ کی فرضیت یا دیگر فروعی مسائل ہیں۔ انکا انکار کرنے سے بھی کفر لازم آتا ہے تفسیر ''المنار'' کے مصنف رقم طراز ہیں ''جب کوئی توحید پرست' اللہ تعالیٰ، فرشتوں، رسولوں اور کتابوں پر مجموعی طور پر ایمان لاتا ہو۔ اور ساتھ ساتھ روز قیامت' تقدیر' ارکان اسلام پر ایمان اور فحاشی و برائی کے حرام ہونے پر ایمان لاتا ہو تو اسکو بعض انبیاء کرام سے لاعلم رہنے پر کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور اسی طرح بعض تاریخی اور معاشرتی احکامات جو قرآن سے ثابت ہیں مثلاً خبر اہل سبا اور کلالہ کی وراثت کا حکم اور گھروں میں داخل ہونے سے قبل سلام و اجازت طلب کرنے کا حکم وغیرہ سے اگر لاعلمی ہے تو بھی لاعلم و جاہل رہنے والے کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ معلومات اکثر عوام الناس سے مخفی ہوتے ہیں اور اگر مکمل باخبر ہونے اور مطلع ہونے کے بعد بھی کسی قرآنی نص کا انکار کیا جائے تو کفر لازم آتا ہے کیونکہ یہ قرآن کے جھٹلانے کے مترادف ہے۔ احادیث کے انکار کرنے کے مسئلے پر گفتگو کرنے کے دوران امام ابن القیم علیہ الرحمتہ مدارج میں بیان کرتے ہیں۔ ''کوئی شخص اگر اسلام کے فرائض میں سے کسی فرض کا انکار کر دے یا وہ

محرمات میں سے کسی حرام کردہ چیز، یا اللہ تعالی کی کوئی ایک صفت یا کسی حکم الٰہی کا **لاعلمی جہالت، یا غلط تاویل کے باعث انکار کردے تو اس شخص کو معذور سمجھا جائے گا اور کافر بھی قرار نہیں دیا جائے گا۔''**

ہم نے جو کچھ گذشتہ صفحات پر ذکر کیا ہے امام شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمتہ کا کلام بھی اس پر دلالت کرتا ہے آپ نے بھی کسی کو حجت قائم کرنے سے قبل مخصوص کر کے کافر کہنے سے منع فرمایا ہے۔

اور ساتھ ساتھ مذکورہ بالا تمام معاملات (توحید، رسالت ارکان اسلام وغیرہ) کا انکار کیا جائے تو انکار کرنے والا کافر ہوگا۔ لیکن علم کے حصول کے امکانات نہ ہونے کی وجہ سے ان امور سے جہالت کا عذر قبول کیا جائے گا کیونکہ ہر شخص شریعت وتوحید کی تبلیغ کا محتاج ہے پہلے واضح اور قطعی طور پر حجت تبلیغ قائم ہونی چاہیئے اگر اسکے بعد بھی انکار ہو تو پھر کافر کہنا درست ہے۔ امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ہر کلام کو انہیں معنوں میں لینا چاہیئے۔ آپ نے ہر جگہ جہاں کہیں بھی جاہلوں کو معین کر کے کافر قرار دینے سے توقف فرمایا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ پہلے حجت تبلیغ قائم کی جائے اور امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا درج ذیل قول بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ''جو شخص ایمان کے بعض واجبات کو عاجز آ کر ترک کر دیتا ہے مثلاً حصول علم کے امکانات نہ ہونے کی وجہ سے یا عمل نہ کر سکنے کی وجہ سے تو اس شخص کو معذور سمجھا جائے گا۔ کیونکہ انسان جس سے عاجز آ جائے تو وہ مکلّف و پابند نہیں کہ اس پر عمل کرے۔ اس شخص پر یہ چیزیں فرض نہ ہونگی حالانکہ درحقیقت ایمانی یا دینی اعتبار سے یہ فرائض میں شامل ہے۔ یہ بات واضح کرتے چلیں کہ امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی اکثر کتابوں میں عام فروعی احکامات کے لئے ایمان واجب کا جملہ استعمال کرتے ہیں۔ ایمان واجب سے ایمان مجمل (توحید، ارکان اسلام وغیرہ) مراد نہیں ہوتا۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ اس اشکال کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جب تک کسی پر حجت قائم نہ ہو جائے اس وقت تک شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کسی کو معین کر کے کافر قرار نہیں دیتے۔ اور یہ معاملہ صرف فروعی مسائل کے بارے میں ہے نہ کہ ہر امور اور ہر حالات میں یہی حکم ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ مزید رقم طراز ہیں۔ بعض لوگوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے کلام سے کج روی اختیار کرتے ہوئے غلط مطلب اخذ کیا ہے۔ میں وہی الفاظ نقل کرتا ہوں ''شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ میں

سب سے زیادہ اس بات سے لوگوں کو روکنے والا ہوں کہ کسی کو مخصوص ومعین کر کے کفر، بدعت یا فسق وفجور کا الزام عائد کیا جائے۔ لیکن اگر حجت رسالت وتبلیغ قائم ہونے کے بعد بھی کوئی شخص احکام اسلام کی مخالفت کرے تو وہ شخص کافر، فاسق، گنہگار کہلائے گا۔''

اس مسئلے پر ہر جگہ جہاں تک مطلع ہوتے ہیں آپ کے کلام کی یہی غرض وغایت ہے۔ کبھی بھی اگر عدم تکفیر کا ذکر آیا تو ساتھ ہی غلط فہمی کے ازالے کے لئے ذکر فرما دیا کہ اس سے مراد کفر سے توقف، تبلیغ کی حجت قائم کرنے سے قبل ہے نہ کہ بعد میں۔ اور جب تبلیغ کر دی جائے تو مسئلے کے تقاضے کے مطابق کافر، فاسق یا گنہگار ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ اور بذات خود امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صراحت فرما دی کہ آپؒ کا کلام ان مسائل کے متعلق ہے جو ظاہری نہیں (یعنی عوام الناس تک پہنچنے والے مشہور بنیادی مسائل کے علاوہ مخفی اور غیر بنیادی مسائل ہیں) جب آپؒ کی توجہ علم کلام کے بعض ائمہ کے کفریہ کلام وعقائد کی طرف دلائی گئی تو آپؒ نے فرمایا ''ان متکلمین کے بعض اقوال ایسے ہیں جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے یہ اسکی غلطی اور خطاء ہے۔ مگر اس کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ مگر ان سے ایسے امور صادر ہوتے ہیں جسکے بارے میں ہر خاص وعام مسلمان جانتا ہے کہ انکار ارتکاب کرنے سے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور کفر لازم آتا ہے ان امور میں سے اللہ ﷻ وحدہ لاشریک ﷻ کی عبادت میں کسی نبی، فرشتے یا کسی کو بھی شریک کرنا۔ توحید تو اسلام کا سب سے بڑا شعیرہ ہے اور نماز پنجگانہ کی ادائیگی اور عظمت کا خیال نہ کرنا، سود، شراب اور جوئے بازی کو حرام نہ سمجھنا جیسے بڑے بڑے کبیرہ گناہ شامل ہیں۔ علم منطق وکلام کے بڑے بڑے علماء ایسے بہت سے اعمال کا ارتکاب کر کے مرتدّین میں شامل ہو گئے ہیں۔ (مرتدین جمع ہے مرتد کی مرتد کہتے ہیں اس شخص کو جو اسلام لانے کے بعد اعلانیہ یا غیر اعلانیہ طور پر اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جائے خواہ اسکا لوٹنا قولاً ہو یا عملاً ہو دونوں طرح ہوا اور لازمی نہیں کہ صرف وہی مرتد ہو جیسے معاشرے میں مرتد کی حیثیت سے جانا جائے بلکہ ہر وہ کلمہ گو جو کلمہ پڑھنے کے بعد اسلام میں داخل ہونے کے بعد نواقض اسلام (اسلام سے خارج کرنے والے امور) کا ارتکاب کرے اور اسمیں علماء کی عائد کردہ منجملہ شروط بھی پائی جائیں وہ مرتد ہوگا اگر چہ معاشرے میں وہ مسلمان ہی کی حیثیت سے کیوں نہ جانا جائے۔)

شیخ الاسلام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تمام تحاریر ایسی ہی ہیں جن سے بہت سے لوگ شکوک وشبہات کا شکار ہو گئے تھے۔ آپ تبلیغ کی حجت قائم کئے بغیر کسی جاہل کو کافر قرار نہیں دیتے۔ مثال کے طور پر کوئی مسلمانوں کے شہروں سے دور دراز مقام پر رہنے والا جاہل شخص یا کوئی کفار کے علاقے سے نیا نیا مسلمانوں میں آنے والا یہ کہے کہ شراب حلال ہے تو جب تک اسکو احکام شرعیہ کی مکمل خبر اور شراب کے حرام ہونے کے حکم کا علم نہ ہو تو اسکی تکفیر میں توقف اختیار کرنا ضروری ہے۔ لیکن قرآن وسنت کے احکامات کی خبر گیری کے بعد بھی کوئی بضد ہے اور اصرار کرے کہ شرب جائز ہے تو ایسا کہنے والا کافر ہوگا۔

ایک قابل غور مسئلہ

اب ہم ''مجموعۃ التوحید'' میں منقول امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ایک قول کی وضاحت کرتے ہیں۔ آپ کا قول ہے ''ہم جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کے لئے یہ جائز قرار نہیں دیا کہ وہ مُردوں (فوت شدگان) میں سے کسی کو پکارے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام صالحین رضی اللہ عنہم وغیر کو مدد کے لئے یا کسی اور وجہ سے پکارنا جائز قرار نہیں دیا۔ بالکل ایسے ہی مُردوں کی (قبروں) کو سجدہ کرنا یا صرف انکی طرف منہ کر کے سجدہ کرنا حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان شرکیہ امور کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ لیکن دور حاضر میں جہالت کے غلبے اور قرآن وسنت کے صحیح علم کی قلت کی وجہ سے یہ ممکن نہیں کہ ہم ان امور کے مرتکبین کو کافر قرار دیں۔ جب تک ان کے سامنے صاف صاف وضاحت نہ کر دی جائے کہ اسلام کیا ہے۔ اور اسلام کے منافی امور کیا ہیں!۔

شیخ الاسلامؒ نے ایسے لوگوں کی تکفیر سے توقف کرنے کے ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ توقف صرف اور صرف تبلیغی مصلحت اور دعوت توحید سے قبل لوگوں کے دل ودماغ سے مبلغین وداعی حضرات کے متعلق نفرت کو نکالنے کی غرض سے ہے۔ یعنی یہ آپ کا کوئی فقہی اصول وقاعدہ نہ تھا بلکہ یہ موقف ضرورت ومصلحت کے پیش نظر اختیار کیا گیا تھا۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں ''شیخ الاسلامؒ نے ذکر فرمایا کہ انہوں نے کیوں تکفیر معین کو

اطلاق نہ کرنے کا موقف اختیار کیا ہے کیونکہ جو علماء کرام ان کے شرک فی العبادۃ کی وجہ سے انکو فوراً (بغیر کسی تبلیغ ووضاحت کے) کافر قرار دیں گے۔ تو پھر دعوت وتبلیغ کا کام مؤثر نہیں ہو سکتا۔

بالکل ایسی ہی صورتحال شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ کو دعوت توحید کے ابتدائی دور میں پیش آئی۔ جب آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ زید بن خطابؓ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔ (اسی طرح آج کل کے نام نہاد کلمہ گو مسلمان عبدالقادر جیلانی وغیرہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں)۔ تو آپ نے انتہائی نرم لہجے اور مصلحت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا ''اللہ زید سے بہتر ہے''۔

یہ علماء کا دعوت توحید کو پیش کرنے کا بہترین طریقہ اور مصلحت انگیز راستہ تھا۔ نہ کہ کوئی ان کا فقہی اور نظریاتی موقف تھا۔ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ علماء کے کلام سے بعض مشابہہ نصوص لے کر تمام دلائل وبراہین کو رد کر دیں۔ اور ہمیں یہ بھی چاہیئے کہ ہم علماء بالخصوص شیخ الاسلامؒ کے کلام وبیان کی غلط تعبیر وتشریح کر کے اپنے آپ اور ائمہ دین پر ظلم نہ کریں۔ اور یہ ظلم کر بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ ائمہ کا کلام خود اپنی آپ تفسیر کر رہا ہو؟۔ والحمدللہ علی ذالك۔

اعتقادی اصول میں جہالت کا دائرہ اثر

یہاں پر ان امور کے متعلق بحث کی جا رہی ہے جو اہل سنت کے نزدیک عقیدے کے اصول ہیں۔ لیکن یہ قطعی طریقے سے ثابت شدہ نہیں بلکہ بعض کے نزدیک ظنی الثبوت ہیں۔ لہٰذا جو اصول وقواعد قطعی الثبوت نہیں ہیں ان سے لاعلم رہنے والے کو کافر نہیں کہا جا سکتا جب تک کوئی دلیل وحجت قائم نہ ہو جائے۔ اور جمہور علماء کے نزدیک تو دلیل تبلیغ قائم ہونے کے بعد بھی کوئی اگر منکر ہو تو اسکو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اسکو بدعتی یا فاسق کہا جائے گا کیونکہ اس کے ثبوت پر کوئی قطعی دلیل نہیں۔ تفسیر المنار کے مصنف رقم طراز ہیں۔

''جو اصول روایت کے اعتبار سے قطعی نہ ہوں تو ان کو جھٹلانے والا یا تو اس وجہ سے جھٹلائے گا کہ وہ روایت کا صحیح علم نہیں رکھتا یا دوسری وجہ یہ ہوگی کہ بعض راویوں نے اس روایت کی تصدیق نہ کی ہوگی۔ اور جو اصول دلالت کرنے کے اعتبار سے غیر قطعی ہیں اگر کوئی ان کو جھٹلائے تو اس میں اس بات کا احتمال ہوگا کہ جھٹلانے

والے نے اس اصول کے بعض معان ومفہوم کا انکار کیا ہو۔(نہ کہ مکمل اصول کا انکار کیا ہو) کیونکہ تکذیب کرنے والے کے نزدیک یہ معنی مراد ہی نہ ہوگا اور یہ معنی قطعی علم سے ثابت نہ ہوگا۔اسی لئے علماء کرام نے یہ شروط عائد کی ہیں کہ ''اُن اصول وضوابط کے انکار پر کفر لازم آتا ہے جو متفقہ ہوں ،(یعنی جن میں اختلاف نہ ہو) دین کی ضروری معلومات (جیسا کے عقیدہ کے مسائل وغیرہ۔اور علم دین کے لازمی جزئیات سے جہالت غیرہ) سے تعلق رکھتے ہوں اور یہ بھی شرط عائد کی جاتی ہے کہ تکذیب کرنے والا اصل اصول کی بغیر کسی تاویل و تعبیر کے تکذیب کرتا ہو (یعنی اگر تاویل وتعبیر کے ساتھ تکذیب کرے تو کافر نہیں جیسا کے پیچھے ابن قیمؒ وغیرہ کے کلام میں موجود ہے)۔اسی لئے گزشتہ علماء امت نے صفات باری تعالیٰ کی تفہیم وتشریح میں مخالفت کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیا ہے۔کیونکہ بدعتی فرقے تاویل وتفسیر کرتے ہوئے تکذیب کرتے ہیں۔''

لیکن یہ واضح رہے کہ سلف وخلف کے تمام علماء نے اس شخص کو کافر قرار دیا ہے جو یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہ چیز جسے وہ جھٹلا رہا ہے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے'' پھر بھی وہ اسکو جھٹلاتا ہے اگر چہ یہ اصول قاعدہ یا مسئلہ قطعی الــــروایۃ اور قطعی الدّلالت نہ بھی ہو۔کیونکہ کفر کا دارومدار تکذیب پر ہے چاہے کسی چھوٹے مسئلے کو جھٹلایا جارہا ہو یا کسی بڑے مسئلے کو۔''

اہل سنت علماء نے اصول وعقائد میں کئی تصانیف لکھی ہیں مثلاً امام ابن حزمؒ المحلی کے مقدمے میں روز قیامت رؤیت باری تعالیٰ (یعنی رز وقیامت اللہ عزوجل کا دیدار ہونا، دیکھا جانا) کے مسئلے پر بحث کے دوران فرمایا ہے کہ ''مسئلہ نمبر 63: یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کا روز قیامت دیدار کریں گے ((اللہ تعالیٰ انکی آنکھوں کو ایسی طاقت وبینائی عطا فرمائے گا جس سے وہ دیدار الٰہی کر سکیں گے)) یہ مسئلہ اہل سنت نے قرآن وحدیث کی بعض نصوص سے ماخوذ کیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ 0 اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ﴾ (سورۃ قیامۃ آیت:۲۲،۲۴)

''مومنوں کے چہرے اس روز خوشگوار ہوں گے اور وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ ((انکم سترون ربکم کما ترون ھذا و کان

ناظراً الیٰ القمر لاتضا مون فی رویتہ))'' آپ نے چاند کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ تم روز قیامت اس چاند کی طرح اپنے رب کو دیکھو گے اور اپنے رب کو دیکھنے کے لئے تم کوئی بھیڑ نہ لگاؤ گے'' (یعنی جس طرح ہم اپنے اپنے مقام پر چاند کو دیکھ سکتے ہیں ایسے ہی ہر شخص اپنی جگہ سے ہی دیدار باری تعالیٰ کرے گا۔)

ابن حزمؒ کے اس کلام کے باوجود معتزلہ کی تکفیر نہیں کی جاتی جو رؤیت باری تعالیٰ کے منکر ہیں۔

کیونکہ وہ قرآن وحدیث کی ایسی تعبیر وتاویل کرتے ہیں جو انکی رائے کو تقویت پہنچاتی ہے جیسا کہ انکی دلیل ہے ﴿لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ﴾ (سورۃ الانعام آیت:۱۰۳)

''اسکو کوئی نگاہ نہیں پاسکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط کرنے والا ہے'' (لیکن علماء بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق دنیا میں دیکھنے سے ہے یعنی دنیا میں اسے کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔)

لیکن ان مسائل کے باوجود فرقوں کے متعلق لکھنے والوں نے انکو مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں شمار کیا ہے۔

مشہور مؤرخ بغدادی لکھتے ہیں ''قدریۃ'' فرقہ حق سے دور ہو چکا ہے انکے مزید 20 ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ ان کے نام لکھنے کے بعد ذکر کرتے ہیں۔ان میں صرف دو فرقے خــابـطیـہ اور حـمـاریۃ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔یہاں پر مورخ بغدادی نے معتزلہ کے بقیہ تمام فرقوں کو اسلامی فرقے قرار دیا ہے۔باوجود اس امر کہ وہ باالاتفاق دیدار الٰہی کے منکر ہیں۔

ابن حزمؒ المحلی میں مسئلہ 39 کے تحت رقم طراز ہیں عذاب قبر حق ہے اور اسی طرح بعد از موت روحوں سے فرشتوں کا سوال وجواب بھی برحق ہے اور کوئی بھی شخص اپنی موت کے بعد قیامت تک زندہ نہیں ہوسکتا۔

کیونکہ صحیح مسلم میں بروایت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ''رسول اللہ ﷺ کا فرمان منقول ہے کہ''

یہ آیت ﴿یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ (سورۃ سیدنا ابراہیم آیت:۲۷)

''جو لوگ ایمان لاتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ مضبوط بات کے ساتھ قائم رکھتا ہے''۔

یہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔مرنے والے سے قبر میں سوال کیا جائے گا کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور میرا دین اسلام ہے۔امام بغدادیؒ عقائد اہل سنت کے رکن نمبر 11 میں لکھتے ہیں ''علماء اہل سنت کے نزدیک قبر میں مردے سے سوال وجواب ہوگا اور اہل عذاب کو قبر میں

عذاب دیا جائے گا۔اورانہوں نے قطعی طور پررائے بھی دی ہے کہ منکرین عذاب قبر کو قبر میں عذاب دیا جائے گا۔اوراسی طرح شفاعت کے منکرین کواللہ تعالیٰ روز قیامت شفاعت سے محروم رکھے گا۔

لیکن علماءاہل سنت نے منکرین عذاب قبر کوکافرنہیں قرار دیا۔حالانکہ دیگر کئی اقسام کے لوگوں کی تکفیر کی ہے۔

عقائداہل سنت کے اصول میں اور جوظنی الثبوت اصول ہیں ان تمام میں یہی قول کارفرما ہے۔اگران اصول کے منکرین تاویل کرتے ہیں تو جب تک کوئی دلیل قائم نہ کی جائے انکو کافرنہیں کہا جائے گا۔اوراگر تمام ثبوت کے باوجود بغیر کسی تاویل وتعبیر کے انکار کریں تو تب ان کی تکفیر جائز ہوگی۔کیونکہ وہ ثابت شدہ قطعی بات کے منکر ہو چکے ہیں۔قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ قاضی ابوبکر نے فرمایا۔جنت کے وعدے اور جہنم کی وعید' رؤیت باری تعالیٰ،مخلوق،خلق افعال،اعراض کی بقاء،پیدائش کائنات اورایسے ہی دیگر فلسفیانہ اور منطقی مسائل میں تاویل کرنے والوں کی تکفیر کومنع کرنا زیادہ واضح ہے کیونکہ ان اصطلاحات سے جہالت اللہ تعالیٰ سے جہالت کے مترادف نہیں ہے۔اوران اصطلاحات سے جہالت پرتکفیر کرنے کے مسئلے پر مسلمانوں نے کبھی اجماع نہیں کیا ہے۔

غلط فہمیاں اور وضاحتیں

یہ علم ضرور ہونا چاہیئے کہ جب اصولوں میں سے کوئی ایک ثابت ہوجائے تو تمام نصوص کواس ثابت شدہ اصول کے تقاضوں کے مطابق کرنا ضروری ہوجاتا ہے اوران تمام نصوص کواس اصول کی روشنی میں سمجھنا چاہیئے جن سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ نصوص اس اصول کے خلاف ہیں۔یہ عمل کسی (حدیث یا نص) کے معانی کو ملتوی یا تبدیل کرنے کی قسم میں سے نہیں ہے۔اورایسا بھی نہیں کہ کوئی مخصوص مفہوم فرض کرلیا گیا ہے۔یا یہ اصول تمام نصوص کودیکھنے سے قبل ہی وضع کرلیا گیا ہو۔جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں بلکہ فقہ کے اصول اورفہم سلیم کے قوانین ہی اس فکراوراصول کوقائم کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔کسی مخصوص اصول تک ابلاغ اور اسکوثابت کرنا اسوقت تک ممکن نہیں جب تک شریعت کے بہت سے شواہداس اصول کے ساتھ نہ ملائے جائیں جواس اصول کوقائم کرنے والے ہوں۔اورایک ثابت شدہ قاعدہ قانون بنانے والے ہوں جسکے ذریعے تمام

نصوص اور دیگر جزوی حوادث کوسمجھا جاسکے جب بھی کوئی ایک نص یا ایک واقعہ بظاہراس اصول کی مخالفت کررہا ہوتواس نص یا واقعے کواس اصول کی روشنی میں سمجھنااوراسکے تقاضوں کے عین مطابق بنانا ضروری ہوجاتا ہے۔

کیونکہ کسی ایک نص یا واقعے کی ثابت شدہ اصول کی مخالفت کا مطلب ہے کہ یہ نص تمام ان نصوص میں قرآن و حدیث اور واقعات کے برعکس ہے جواس اصول کوثابت کررہے ہیں اس اصول کوان اختلافات کی بناء پر معطل نہیں کیا جاسکتا۔اوراختلافات اسوقت تک معتبر نہیں ہوسکتے جب بہت سے دلائل وشواہد مخالف معنوں میں نہ آئیں۔اسی طرح مخالف نہ ہوں کہ ان دلائل سے ایک دوسرا اصول قائم ہوجائے جو پہلے اصول کی مخالفت کوتقویت پہنچائے۔اسی متنازع حالت میں دونوں قسم کے دلائل واصول کوآپس میں ملانا اورتطبیق دینا ضروری ہوجاتا ہے۔کیونکہ یہ دونوں اصول قابل ترجیح ہیں اورجمع تطبیق ودیگر اصولی قواعد کی اتباع میں ہوگی۔

اور جب کوئی ثابت شدہ اصول کسی نص (قرآن وحدیث) یا کسی فقیہ کے کلام کی مخالفت کررہا ہوتو اس وقت توقف اختیار کریں گےاور ثابت شدہ اصول کے مشکوک ہونے کے بارے میں سوچنا ہوگا۔اورایسا کرنا صرف شرعی قواعد کےنزدیک درست ہوگا نہ کہ فہم مستقیم کےقواعدوضوابط کےنزدیک اورہم نے۔

اس تمہید کوصرف اس لیئے ابتداء میں ذکر کیا ہے کہ تا کہ ہم بعد میں واردشدہ شبہات کی وضاحت کردیں۔ اوربعض ایسی وضاحتیں ذکر کردیں جنکا اس مقام پر بیان کرنا ضروری تھا جوشبہات بعض لوگوں نے ثابت شدہ اصول پر کیئے ہیں۔وہ درج ذیل ہیں۔

(1) وہ حدیث جس میں ایسے شخص کا ذکر ہے جس نے اپنی راکھ کوہوا میں بکھیرنے کی وصیت کی تھی۔

(2) واقعہ ذات انواط' اور دیگر ایسے جزوی مسائل جن کے متعلق بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ وہ ہمارے مقرر کردہ اصول کے منافی ہیں۔مزید آپ اصل مقام پر دیکھ لیں گے۔اور جو وضاحتیں ہم نے ذکر کی ہیں ان میں بعض فقہاء کے اقوال مذکور ہیں جوفقہاء کرام کی کتابوں اور رسائل سے اخذ کردہ ہیں۔ان میں سے بعض اقوال ہمارے مقرر کردہ اصول کے برعکس ہیں۔جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ابن حزمؒ اور شیخ قاسمیؒ کے اقوال ہیں جن کو ہم انشاءاللہ اگلے صفحات پر ذکر کررہے ہیں۔

اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب کسی فقیہ یا امام کا اکثر کلام ثابت شدہ اصول کے عین مطابق ہو' پھراسی

فقیہ یا امام کے بعض اقوال مخالفت کرنے والے نظر آئیں تو ہم پر واجب ہے کہ ہم متشابہ اور بظاہر مخالف نظر آنے والے اقوال کو ان موافقت کرنے والے اقوال پر محمول کریں جو اسی امام نے دیگر مقامات پر فرمائے ہیں۔اور اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو ہمارا یہ عمل امام موصوف پر متنازع اور باہم مختلف نظریات اختیار کرنے کی کے مترادف ہوگا۔اور جب امام و فقیہ کے منہج و مسلک کو استقامت نظر سے دیکھا جائے تو ہم کو ایسی کوئی دلیل بھی نہیں ملتی۔زیر نظر سطور میں تفصیلاً شبہات اور ایضاحات پیش کئے جا رہے ہیں۔

پہلی غلط فہمی: پہلی غلط فہمی درج ذیل حدیث کے متعلق ہے۔ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”ایک شخص جس نے اپنی زندگی میں کوئی نیکی نہ کی تھی۔وہ مرتے وقت اپنے گھر والوں سے کہنے لگا کہ اسکو جلا کر اسکی راکھ آدھی سمندر اور آدھی خشکی میں اڑا دی جائے۔اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو عذاب دینے پر قادر ہوگیا تو ایسا عذاب دیگا جیسا دنیا میں کسی کو نہ دیا ہوگا۔جب وہ وصیت کرنے والا مر گیا تو اسکے گھر والوں نے اسکی وصیت کے مطابق یہ عمل کیا۔اللہ تعالیٰ نے خشکی و سمندر سے اسکی راکھ کو جمع کر کے (اسکو اپنے حضور کھڑا کیا) اور پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ وہ کہنے لگا۔اے اللہ تو جانتا ہے میں نے تجھ سے ڈر کر یہ کام کیا ہے (اللہ تعالیٰ نے اسکے تقویٰ و خشیت کو قبول فرماتے ہوئے) اسکو معاف کر دیا۔

اشکال: بعض لوگوں کو اسی حدیث سے بظاہر اشکال نظر آیا ہے انکا اعتراض یہ ہے کہ ’یہ وصیت کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت سے جاہل تھا (یعنی کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کچھ بھی کرے اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے ہر چیز پر قادر ہے اگر اسے عذاب دینا چاہے تو وہ کسی طرح بھی اس سے نہیں بچ سکتا ظاہراً اسکا یہ کرنا اس بات پر دال ہے کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اسطرح وہ بچ جائیگا یا اور یہ کہ وہ اللہ کی اس مذکورہ صفت سے جاہل تھا)۔اسکے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسکو بخش دیا۔گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی جہالت کے عذر کو قبول فرمالیا۔

ازالہ: اس اشکال کے چند ازالے درج ذیل ہیں۔ (و باللّٰہ التوفیق)

(اول) بعض علماء نے اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے اسکو ظاہری معنوں سے بدل کر مجازی معنوں میں قبول کیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

(1) بعض کے نزدیک وصیت کرنے والے شخص کا یہ قول مجازی کلام سے تعلق رکھتا ہے۔اس کلام بدیع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شک اور یقین کا امتزاج ایک ہی کلام میں ہوتا ہے۔

علماء بلاغت نے اس کلام کا نام ”تجاہل عارفانہ“ رکھا۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (سورۃ سبا آیت:۲۴)

”سنو! ہم یا تم یا تو یقیناً ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں“۔

اس کلام میں بظاہر شک ہے لیکن اس سے مراد یقین ہے۔

(2) بعض علماء نے یہ رائے دی ہے کہ اس شخص نے یہ وصیت اپنے نفس کی تحقیر و اہانت کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو سزا دینے کے لئے دی تھی کیونکہ وہ بڑا گنہگار تھا۔اسکے دل میں امید کا دیا روشن تھا کہ اسطرح اللہ اس پر رحم کرے گا۔حالانکہ اسکو علم تھا کہ ایسی وصیت کرنا اسلام میں جائز نہیں ہے۔

(3) بعض علماء کے نزدیک اس حدیث کو اللہ کی قدرت کے انکار پر محمول کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اللہ کی قدرت میں شک و شبہ کرنا کفر ہے۔حالانکہ اس حدیث کے آخری الفاظ ہیں ”اس نے یہ کام اللہ سے ڈرتے ہوئے کیا“ کافر نہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور نہ ہی بخشش کا امیدوار ہوتا ہے۔

اس قسم کی تاویل کرنے والوں نے اس حدیث کی دو تاویلیں کی ہیں۔

(1) اس حدیث میں لفظ قدر کا مطلب قادر ہونا نہیں بلکہ فیصلہ کرنا ہے یعنی مطلب یوں ہوگا۔

اگر اللہ تعالیٰ نے عذاب کا فیصلہ فرمادیا۔

(2) اس حدیث میں قدر کا مطلب تنگ کرنا‘ بند کرنا بھی ہے جیسا کہ۔

﴿ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ﴾ (سورۃ الفجر آیت:۱۶)

”سو اس پر اسکا رزق تنگ کر دیا گیا“

اور دوسری آیت: ﴿ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ﴾ (سورۃ الانبیاء آیت:۸۷)

”سو اس نے یہ سمجھ لیا کہ ہم اسکو تنگ نہ کریں گے“۔

اگر یہ دونوں مفہوم مراد لئے جائیں تو اعتراض ہی ختم ہو جاتا ہے۔

(دوئم) مذکورہ بالا رائے کے برعکس بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام الفاظ ظاہری معنوں میں ہی لئے جائیں گے نہ کہ مجازی معنوں میں۔ لیکن یہ الفاظ جو وصیت کرنے والے کے منہ سے نکلے معلوم شدہ مقصد کے تحت نہ نکلے تھے۔ اور وہ نہ تو ایسا عقیدہ رکھتا تھا اور نہ ہی اسکا ایسا کوئی ارادہ تھا بلکہ اس نے یہ کلمات خوف و دہشت اور شدّت تکلیف میں ادا کئے تھے ایسی حالت میں ہوش وحواس اور فہم وتدبر نہیں رہتا۔ ایسی حالت میں بھولنے کو غفلت کرنے کے معنوں میں لیا جائے گا یہ ایسی حالت ہے جو قابل گرفت نہیں ہے اسکی مثال بلکل اُس شخص کی مانند ہے جو تپتے صحرا میں اپنی گمشدہ سواری کو دیکھ کر خوشی کی شدت سے پکار اٹھتا ہے۔ اے اللہ! میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے'' لیکن اس قول کی وجہ سے اسکی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ بھولنے دہشت اور شدّت جذبات میں کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔

(سوئم) تیسری قسم کے علماء کے نزدیک اس حدیث کو بغیر کسی تاویل کے ظاہری معنوں میں لینا چاہیئے وہ ظاہری معنی اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ شخص اللہ کی صفات میں سے ایک صفت سے لاعلم اور جاہل تھا اور ہم جانتے ہیں کہ علماء نے صفات باری تعالیٰ سے جاہل رہنے والے کے کفر پر اختلافات کیے ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ انکو کافر قرار دینے والوں میں۔ ابن جریر طبریؒ شامل ہیں۔

ابوالحسن الاشعریؒ کی ابتدائی رائے یہی تھی۔ دوسرے علماء جاہل صفات کو کافر قرار نہیں دیتے۔ ان کو ایمان کے نام لیواؤں سے خارج نہیں کرتے۔ مگر جو شخص صفات باری تعالیٰ کا انکار کرے تو اسکو کافر قرار دیا جائے گا الاشعری بھی اس قول کی طرف تھے۔ اور اسی قول پر ثابت رہے۔ کیونکہ جو شخص انکار صفات کا عقیدہ نہیں رکھتا وہ درست رائے تو نہیں رکھتا مگر اسکو کافر نہیں کہا جائے گا۔ کافر صرف اس شخص کو کہیں گے جو انکار کا اعتقاد رکھتا ہو اور اپنی بات کو درست سمجھتا ہو ہمارا سوال اس مقام پر یہ ہے کہ، کیا وہ جہالت جو نکتہ اختلاف ہے۔

اس سے مراد کوئی سی بھی صفت باری تعالیٰ ہے یا بعض صفات (جو شریعت سے ثابت ہوں) سے جہالت ہے؟ ان میں سے کون سی جہالت مقصود ہے؟۔

جماعت علماء کے نزدیک بلاشبہ یہ بات تو واضح ہے کہ جہالت سے مقصود تو بعض صفات میں جاہل رہنا ہے۔ نہ کہ کسی بھی صفت سے مطلق جہالت مقصود ہے۔ تمام صفات سے جہالت مطلوب ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ کوئی

شخص اگر ان صفات پر جاہل ہو کہ ''اللہ زندہ ہے'' تنہا ہے۔ خالق عالم ہے۔ تو کیا ان صفات سے جاہل کا عذر قبول کر لیا جائے گا؟ ان عظیم صفات سے جہالت کے بعد کونسا ایسا معبود ہے جسکی عبادت کی جائے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ وصیت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت سے ناواقف تھا۔

اس لئے اس کا عذر قبول کر لیا گیا تو ہم کہیں گے کہ وہ کیا بات تھی جس نے بہت سے علماء کو مجبور کر دیا کہ وہ اس حدیث کی تاویل کریں اور اس کے ظاہری الفاظ کو چھوڑ کر مجازی معانی بیان کریں اگر یہ مسئلہ اس قدر سادگی پر مبنی ہوتا تو تمام علماء صرف یہ کہنا کافی سمجھتے کہ وصیت کرنے والا چونکہ جاہل تھا اس باعث اس سے درگزر کیا گیا۔ اور مذکورہ تمام تاویلات سے بچ جاتے۔ مگر علماء نے دیکھا کہ یہ ایسا فیصلہ کن مسئلہ ہے جس کو ثابت شدہ قواعد وضوابط سے متعارض ہونے سے نہیں بچایا جا سکتا۔ تو علماء پر ضروری ہو گیا کہ اس مسئلے کو مقرر کردہ اصول کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے خاص طور پر اس حدیث کی مختلف توجیہات کی جا سکتی ہیں جو اس توجیہہ کے علاوہ ہیں جو اصول سے مطابقت نہیں رکھتی۔

خلاصہ کلام: آخر کار ہم کہیں گے کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ وصیت کرنے والا خطا کار تھا وہ یہ گمان کر بیٹھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندگی نہ لوٹائے گا جب ہی اس نے اس کام کی وصیت کی۔ لیکن یہ بھی احادیث سے واضح ہے کہ وہ مشرک نہ تھا۔ اس نے کبھی جہالت ونادانستگی میں بھی شرک نہ کیا تھا بلکہ وہ جانتا تھا کہ اللہ وحدہ لاشریک ہی عبادت کا مستحق ہے تو اس کے اس گناہ کو معاف کر کے اس کے عذر کو قبول کر لیا گیا۔ وصیت کرنے والا توحید پر قائم ودائم تھا اس نے عبادت کی کسی بھی صورت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تھا لہٰذا یہ بات درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ''شرک باللہ'' کے باوجود اس کی جہالت کے عذر کو قبول فرمایا۔

ایک جماعتِ علماء کی رائے یہ بھی ہے کہ ''وصیت کرنے والا شخص زمانہ فترہ سے تعلق رکھتا تھا جب صرف توحید ہی کافی ہوتی ہے۔ شریعت کے نازل ہونے سے قبل دیگر کوئی احکامات نہ تھے۔ یہ مسئلہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ ''ایک آدھ صفت سے لاعلم ہونا ایک الگ چیز ہے اور موصوف (یعنی اللہ تعالیٰ) سے جاہل ہونا بالکل الگ مسئلہ ہے۔ اس کے بارے میں عز بن عبدالسلام فرماتے ہیں'' امام اشعری علیہ الرحمتہ نے اہل قبلہ کو کافر

قرار دینے کے مسئلے سے رجوع کرلیا تھا۔ کیونکہ صفات سے لاعلمی موصوفات سے جہالت کے برابر نہیں ہوتی۔ عبارات جدا جدا ہیں لیکن ان کا مشار الیہ ایک ہی ہے شیخ صاحب علیہ الرحمتہ نے ایک مثال بھی ذکر کی ہے جو درج ذیل ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص اپنے غلاموں کو حکم لکھ کر بھیجتا ہے جس میں چند احکامات وممنوعات کا بیان ہے غلام لوگ اپنے آقا کے وجود پر اتفاق کرتے ہیں لیکن اس کی صفات پر اختلافات کا شکار ہوجاتے ہیں کچھ کہتے ہیں وہ سیاہ چشم ہے کوئی اس کی آنکھوں کو نیلگوں اور کوئی بڑی بڑی کالی آنکھیں کہتا ہے۔اسی طرح بعض اس کو درمیانے قد کا اور کچھ طویل القامت سمجھتے ہیں کچھ لوگ اس کو گورا چٹا کہتے اور کوئی اس کو کالا، کوئی اس کو سرخ، کوئی گندمی رنگ کا سمجھتا ہے۔لیکن ان صفات میں اختلاف کے باوجود کوئی اپنے آقا کی اطاعت وبندگی میں اختلاف نہیں کرتا۔اور یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ صفات کا اختلاف موصوف کے اختلاف جیسا ہے وہ خالق ومالک جو اطاعت وعبادت کا مستحق ہے۔ایسے ہی کچھ لوگ اپنے باپ کی صفات میں اختلاف کرتے ہیں۔اس اتفاق کے باوجود کہ یہ باپ ان کی اصل بنیاد ہے جس (کے پانی سے وہ معرض وجود میں آئے ہیں) لہٰذا ان کا اپنے باپ کی صفات میں اختلاف اپنے باپ کے وجود (جس سے انہوں نے نشوونما پائی) کے مترادف نہیں بنتا۔

دوسری غلط فہمی: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کے متعلق ہے کہ جو درج ذیل آیت میں موجود ہے۔﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰكَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾

(سورۃ الانعام آیت:۷۶)

"سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر رات چھا گئی تو آپ نے ستارے کو دیکھکر فرمایا کہ " هٰذَا رَبِّيْ " یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ ستارہ غائب ہوگیا تو کہنے لگے کہ میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا (یعنی جو غائب ہوجائے وہ رب نہیں ہوسکتا) اور اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سورج و چاند کے متعلق بھی یہی فرمایا۔

اعتراض اس قول پر یہ ہے کہ اللہ کے یہ نبی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مبارکہ سے غافل تھے پھر بھی نہ تو اللہ تعالیٰ نے اور نہ ہی کسی شخص نے آپکو (معاذ اللہ) کافر قرار دیا۔؟؟

ازالہ: اس غلط فہمی کا ازالہ ہم اللہ کی توفیق وعنایت سے کرتے ہیں۔

قاضی عیاضؒ انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں "نبوت سے قبل انبیاء علیہم السلام کے معصوم عن الخطاء ہونے کے متعلق اختلاف موجود ہے لیکن درست رائے یہی ہے کہ انبیاء قبل از نبوت بھی اللہ تعالیٰ اور صفات باری تعالیٰ کے متعلق کسی بھی قسم کے شکوک سے معصوم تھے" سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سورج، چاند ستاروں کے بارے میں " هٰذَا رَبِّيْ " (کہ یہ میرا رب ہے) کہنے سے تم شکوک وشبہات کا شکار نہ ہوجانا کیونکہ اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ قول کم سنی کا ہے اور کم عمری میں نظر واستدلال کی قوت کی کمی کی وجہ سے احکام شریعت لاگو بھی نہیں ہوتے اس کے علاوہ بڑے بڑے بالغ نظر علماء ومفسرین نے اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ آپ علیہ السلام نے یہ جملہ اپنی قوم کو سرزنش اور باز پرس کے طور پر ارشاد فرمایا تھا یہ ایک طرح کا استفہام انکاری ہے مراد یہ ہے کہ یہ سوالیہ جملہ ہے اس میں انکار پوشیدہ ہے یعنی " هٰذَا رَبِّيْ " یہ میرا رب ہے!! کیا میرا رب ایسا ہوسکتا ہے؟ (اس کا جواب ظاہراً یہی ہے کہ میرا رب ایسا نہیں ہوسکتا۔"

مفسر زجاجؒ لکھتے ہیں " هٰذَا رَبِّيْ " سے مراد یہ ہے کہ "سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تمہارے کہنے کے مطابق یہ میرا رب ہے قرآن میں اس طرح کی ایک اور آیت موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" میرے شریک کہاں ہیں؟ یعنی اے مشرکو! "تمہارے نزدیک" جو میرے شریک ہیں وہ کہاں ہیں؟

یہ تمام تفسیریں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس چاند سورج ستاروں کو کچھ نہیں سمجھتا تھا اور نہ ہی انہوں نے ایک لحظہ بھر کے لئے شرک کیا تھا کیونکہ قرآن یہ گواہی دیتا ہے کہ

﴿اِذْقَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاتَعْبُدُوْنَ﴾ (سورۃ الشعراء آیت:۷۰)

"جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اور قوم سے کہا تم کس کی عبادت کرتے ہو؟"

یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم کس کی عبادت کرتے ہو۔

دوسری آیت ہے کہ: ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ٥ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ٥ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (سورۃ الشعراء آیت:۷۵،۷۶،۷۷)

"تم اور تمہارے پہلے آباواجداد جن (معبودوں) کی بھی عبادت کرتے ہو وہ میرے دشمن ہیں ماسوائے

تمام جہانوں کے پرودگار کے“

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔﴿اِذۡ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ﴾ (سورۃ الصافات آیت:۸۴)

”جب (سیدنا ابراہیم علیہ السلام) اپنے رب کے پاس (شرک سے) پاک دل کے ساتھ آئے۔“

اور قرآن میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی مذکور ہے۔

﴿ وَّاجۡنُبۡنِیۡ وَ بَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ﴾ (سورۃ سیدنا ابراہیم آیت:۳۵)

”اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھنا۔“

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے؟

﴿ لَئِنۡ لَّمۡ یَهۡدِنِیۡ رَبِّیۡ لَاَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّیۡنَ﴾ (سورۃ الانعام آیت:۷۷)

”اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی تو میں گمراہ لوگوں میں سے ہوجاؤں گا۔“

تو جواباً عرض ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید و نصرت سے میری مدد نہ کی تو میں ان مشرکوں کی طرح گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا ”آپ کا یہ قول شرک سے ڈرنے اور احتراز کرنے کے معنوں میں ہے۔“

وگرنہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام شرک سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے معصوم تھے۔اس اعتراض پر ایک دوسرا جواب بھی ہے وہ یہ کہ ”ضلال“ کا مطلب ہے اللہ کی عبادت کی کیفیت نہ جاننا اور شریعت کے احکامات سے لاعلم ہونا ہے (اس معانی سے اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔

”ضلال“ کا لفظ قرآن میں دوسرے مقام پر انہی معنوں میں آیا ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو بطورِ احسان فرمایا﴿ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی﴾ (سورۃ الضحٰی آیت:۷)

”اور آپ کو گم کردہ راہ پایا تو ہدایت دی“

یعنی آپ قران اور شریعت سے لاعلم و بے خبر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی راہنمائی فرمادی!

تیسری غلط فہمی: تیسری بڑی غلط فہمی ”واقعہ ذات انواط“ سے پیدا ہوا ہے۔یہ واقعہ درج ذیل ہے۔

ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ہم کفر کو چھوڑ کر نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔مشرکوں کا مخصوص درخت تھا جس پر وہ اپنا اسلحہ لٹکاتے اور اعتکاف کرتے تھے اس کو ”ذاتِ انواط“ کہا جاتا تھا۔ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ ہمارے لئے بھی مشرکوں جیسا ایک ”ذاتِ انواط“ بنا دیجئے۔تو رسول اللہ ﷺ نے بات سن کر اللہ کی بڑائی بیان کی اور فرمایا بنی اسرائیل نے بھی اپنے نبی سے کہا تھا کہ ”ہمارے لئے بھی ایسا معبود بنا دو جیسا کہ ان (مشرکوں) کا ہے“

آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پر ضرور چلو گے۔

(مسند احمد جلد۵:۲۱۸، ۳۴۰ ،مسند الحمیدی ۸۴۸،السنۃ لإبن ابی عاصم ج ۱:۳۷ المکتب الإسلامی ،دلائل النبوّۃ لبیہقیؒ ج۵:۲۲۵ دار الکتب العلمیه،صحیحه للألبانیؒ حدیث ۱۳۴۸ المکتب الاسلامی)

اس واقعہ کو بنیاد بنا کر معترضین کہتے ہیں ”یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جاہل اپنی جاہلیت کی بنا پر معذور ہوتا ہے جب تک اس پر کوئی حجت نہ قائم کردی جائے۔اس بنیاد سے دیکھا جائے تو حدیث مذکور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ربوبیت اور الوہیت جیسی صفات سے لاعلم نظر آتے ہیں۔

ازالہ: معترضین کا یہ قول مردود ہے۔اس قول کا باطل ہونا بالکل واضح ہے ہر اس شخص کے نزدیک جس کے پاس نصوص قرآن و حدیث کا ادنیٰ سا بھی علم ہے۔نئے نئے اسلام لانے والوں کا رسول اللہ ﷺ سے ایسا مطالبہ کرنا کفار کی مشابہت کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس درخت کو مقرر کرنے کا مطالبہ کیا تھا وہ صرف حصولِ برکت کے لئے تھا جس طرح مشرکین کرتے تھے۔کسی ایک فعل میں کفار کی مشابہت ہر حالت میں کفار کی مشابہت کا تقاضہ نہیں کرتی۔یہ بالکل وہی مسئلہ ہے جس کو امام شاطبیؒ نے بذاتِ خود مسندِ حدیث کو نقل کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے آپؒ فرماتے ہیں ”کفار کی اتباع کا تعین اس وقت تک نہیں کیا جاسکتا جب تک عین بدعت و گمراہی کی پیروی نہ کی جائے۔بعض لوگ ”اتباع عین“ کرتے ہیں اور بعض اتباع مشابہت کرتے ہیں۔اتباعِ عین پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کی پیروی کرو گے حتیٰ کہ اگر کوئی (یہودی عیاش) سانڈے کے بل میں گھس گیا تو تم ضرور اس کے پیچھے اس میں داخل ہو گے۔

(ابن ماجۃ ۳۹۹۴، مسنداحمد ۲: ۴۵۰، ۵۱۱، تهذيب تاريخ دمشق لإبن عساكر ٤: ٣٨٩ بيروت ، المعجم الكبير لطبرانی ٦: ٢٢٩ طبعة العراق، فتح البارى لإبن حجر ١٣ : ٣٠٠ طبعة دار الفكر ، مستدرك الحاكم ١: ٣٧ تصوير بيروت ، حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ اسی معنی میں مزید کیلیے دیکھیے ۔موسوعه اطراف الحديث النبوى الشريف اعداد ابوهاجر محمد السعيد بن بسيونى زغلول۔حرف ك۔ل۔صفحه: ٥٦٨ جلد ٦ طبعة عالم التراث بيروت)

اور اتباع مشابہت پر واقعہ ''ذاتِ انواط'' دلالت کرتا ہے کیونکہ ''ذاتِ انواط'' کو مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود بنانے کے مشابہ ہے نہ کہ بنفسِ نفیس غیر اللہ کو معبود بنانے کے مترادف ہے ۔سبحان اللہ کیا یہ معترضین امام شاطبیؒ کی تشریح کی آخری سطروں کو نہیں پڑھتے آپؒ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فعل کو مشابہت کے باب میں رکھا ہے نہ کہ نفسِ فعل کے باب میں اگر یہ فعل واقعی شرک ہوتا تو اس قول یا دوسرے کسی قول کی وجہ سے ان کے کفر میں شک وشبہ نہ ہوتا۔ یہاں پر مشابہت بدعت ومعصیت کے معنوں میں ہے نہ کہ کفر کا تقاضہ کرتی ہے۔

مذکورہ بالا رائے امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی اس حدیث پر تعلیق کے بالکل عین مطابق ہے آپ لکھتے ہیں نبی ﷺ نے درخت کے اعتکاف اور اسلحہ لٹکانے سے جو کفار کی مشابہت پیش آتی اس سے منع فرمایا تھا تو بتایئے جو بڑھ چڑھ کر مشرکین کی مشابہت کرتے ہیں کیا وہ شرکِ عین نہیں کرتے۔

امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس فعل کو بدعت قرار دیا ہے جس سے کفر لازم نہیں آتا اپنے اس فعل کو شرک قرار نہیں دیا جو جہالت میں سرزد ہوگیا ہو اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو قبول کرلیا ہو یہ فکر ونظر ہمارے بڑے بڑے ائمہ کرام کی تھی۔ بھلا ہمارا اس شخص سے کیا غرض ہے جسکی فہم وفراست اسکی دنیاوی خواھشات کی تکمیل میں مصروف ہوں۔

چوتھی غلط فہمی: یہ غلط فہمی سورۃ مائدہ کی ایک آیت کے بارے میں ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا قول مذکور ہے وہ آیت درج ذیل ہے۔

﴿ اِذْقَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ

السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (سورۃ المائدہ آیت:۱۱۲)

''وہ وقت یاد کے قابل ہے جب حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ کا رب ایسا کرسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرمائے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو''

اس آیت کے مفہوم پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حواریوں کا (جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف بیان کی) عیسیٰ علیہ السلام کو ایسی بات کہنا ان کی جہالت کی علامت بیان کرتا ہے انہوں نے کہا ''کیا تیرا رب ایسا کرسکتا ہے ان کے اس قول نے ان کا ایمان باطل نہیں کیا؟؟۔

ازالہ: دراصل اس آیت کی دو قرائتیں ہیں۔

(۱) پہلی قرأت ہے'' هَلْ تَسْتَطِيْعُ رَبَّكَ ''یہ قرأت امام کسائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا ابن عباس رضی اللہ عنہ معاذ رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے منقول ہے اس کے علاوہ سعید بن جبیرؒ مجاہدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) دوسری قرأت ہے'' هَلْ يَسْتَطِيْعُ ''اور یہی قرأت موجودہ قرآن میں مذکور ہے دونوں قرائتیں صحیح ہیں۔

جس نے پہلی قرأت کو ترجیح دی ہے تو اس کے نزدیک کوئی اشکال باقی نہ رہا کیونکہ پہلی قرأت کے مطابق معانی یہ ہونگے '' کیا گر آپ سوال کریں گے تو آپ کا رب دے گا''؟ یعنی کیا آپ کی درخواست کو قبول کرلیا جائے گا؟ مفسر قرآن سدیؒ کا بھی یہی قول اور جو ائمہ دوسری قراءت کو لیتے ہیں تو وہ اپنی فہم وفراست سے اس آیت کی ایسی تاویل کرتے ہیں (یاد رہے کہ وہ تاویل جو دلیل کے ساتھ ہو تفسیر کہلاتی ہے) جس سے اللہ کی قدرت سے جاہل رہنے کی وجہ سے مسنوب شدہ کفر سے حواری بری ہوجائیں اور یہ تاویل تقریباً تمام مفسرینؒ نے کی ہے چند ایک بطورِ مثال درج ذیل ہیں۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں یہ اعتراض کہ حواریوں نے قدرت الٰہی میں شک ظاہر کیا ہے میرا خیال ہے یہ اعتراض محل نظر ہے کیونکہ حواری انبیاء کے مخلص اور قریبی ساتھی تھے جیسا کہ ان کا قول قرآن میں مذکور ہے۔

﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ﴾ (سورۃ ال عمران آیت:۵۲)

''حواری بولے کہ اللہ کے کلمہ میں ہم مددگار ہیں۔''

اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام اللہ کی معرفت کا علم لائے تھے حواریوں کے لئے کیا واجب ہے کیا جائز ہے اور کیا چیز منع کر دی گئی ہے اس کا علم بھی لائے تھے دوسری بات یہ ہے انبیاء علیہ السلام نے یہ دعوت کی تبلیغ بھی کی تھی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ معرفتِ الٰہی سے ان کے مخصوص اور قریبی لوگ جاہل رہ گئے؟ یہاں تک کہ انہیں قدرتِ الٰہی کا بھی صحیح علم نہ ہوسکا؟

مفسرین قرطبیؒ مزید لکھتے ہیں ''یقیناً حواریوں نے قدرت باری تعالیٰ میں شک نہیں کیا کیونکہ وہ مومن عالم اور معرفت الٰہی رکھنے والے تھے ان کے قول کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے ''کیا فلاں شخص یہ دے سکتا ہے'' حالانکہ وہ جانتا ہو کہ وہ اس کام کی استطاعت رکھتا ہے حواریین عیسیٰ عقل ونظر اور دلالت کے اعتبار سے جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہر کام کی استطاعت رکھتا ہے مگر وہ پھر بھی اپنی آنکھوں سے معائنہ کرنا چاہتے تھے جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے تمام تر ایمان کے باوجود فرماتے ہیں۔

﴿رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی﴾ (سورۃ البقرۃ آیت:۲۶۰)

''اے میرے رب مجھے دکھا تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔''؟

مفسر قرطبیؒ نے اس تاویل کو بہتر قرار دیا ہے آپ لکھتے ہیں اس سے بھی احسن تفسیر یہ ہے کہ یہ قول حواریوں کا نہیں بلکہ ان کے ساتھ موجود دیگر افراد کا قول تھا جو حواری تو نہیں مگر ان کے ساتھ ضرور موجود تھے مفسر قرطبی ابن حصارؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''حواریوں کا عیسیٰ علیہ السلام کو ایسی بات کہنا استطاعتِ باری تعالیٰ میں شک کی بنا پر نہ تھا بلکہ یہ تو سوال میں نرمی اور ادب واحترام کے لئے تھا۔ حواری عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سب سے بہتر لوگ تھے ان کے بارے میں یہ گمان کیسے کرلیا جائے کہ وہ ہر چیز پر قدرتِ الٰہی سے جاہل تھے کیا یہ ممکن ہے۔؟؟؟

مفسر قرطبی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور امام مجاہدؒ کا قول ''ھَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّکَ'' کے بارے میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں قومِ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بارے میں خوب علم رکھنے والی تھی ان کے بارے میں یہ تصور کرنا ناممکن ہے کہ وہ ایسا کہیں گے اور وہ قدرتِ الٰہی میں شک کریں گے بلکہ انہوں نے کہا تھا

''ھَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّکَ'' مطلب ہے اگر آپ سوال کریں گے تو کیا آپ کا رب سوال کو قبول کرلے گا۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی بار ہمیں یہ آیت ''ھَلْ یَسْتَطِیْعُ'' کے ساتھ پڑھائی تھی۔ مفسر زجاج اس آیت کا معنی یوں لکھتے ہیں ''کیا آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو آپ اپنے رب سے مانگیں گے عطا ہوگا'' دوسرا معنی یوں کیا گیا ہے ''کیا آپ اپنے رب کو پکار اور اس سے مانگ سکتے ہیں'' (یعنی کیا آپ ہماری خواہش کو پورا کرنے کے لئے ایسا کرسکتے ہیں۔)

مفسر طبریؒ ''مجمع البیان'' میں لکھتے ہیں اس آیت کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔

(۱) ایک معنٰی یہ ہوگا ''کیا آپ کا رب آپ کے سوال کی صداقت کو مانتے ہوئے ایسا کرے گا'' یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ لوگ قدرتِ الٰہی میں شک کرتے تھے بلکہ وہ تو عارف ومومن تھے۔

(۲) دوسرا معنی یہ ہوگا ''کیا تیرا رب یہ مقدر میں کرے گا'' یہ بات انہوں نے معرفتِ الٰہی میں مستحکم ہونے سے قبل اپنے ابتدائی زمانہ اسلام میں کی تھی۔

(۳) تیسرا معنی یہ ہوگا کیا تیرا رب تیرے سوال کو قبول فرمائے گا مفسر سدیؒ بھی یہی معانی بیان کرتے ہیں۔

مفسر زجاج رقم طراز ہیں ''اس آیت میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ قول بطور تسلی دل اور اپنی ثابت قدمی کو مزید پختہ کرنے کے لئے تھا'' جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

﴿رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی﴾

''اے میرے رب مجھے دکھا تو کیسے مردوں کو زندہ کرے گا۔'' (سورۃ البقرۃ آیت:۲۶۰)

مفسر نیسابوریؒ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں ''قرأت ''تا'' تسطیع کے مطابق تو معانی درست ہیں مراد یہ ہوگا کیا آپ اپنے رب سے سوال کرسکتے ہیں۔ یعنی آپ اپنے سوال کو بغیر کسی ردوبدل کے پیش کرسکتے ہیں لیکن جو لوگ یا کے ساتھ یستطیع پڑھتے ہیں تو ہر معنی میں اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا وہ ایمان لاچکے تھے۔ ایمان کے ساتھ اللہ کی قدرت میں اس شک کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے؟؟ اس شبہے کے بعض جوابات دیئے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1) حواریوں کے متعلق جوایمان کا بیان کیا جارہا ہے وہ ایمان ابھی تک اپنے کمال واخلاص تک نہ پہنچا تھا۔

2) یا وہ حواری مزید یقین اور اطمینان چاہتے تھے اسی باعث انہوں نے کہا ''تا کہ ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔

3) یا وہ حواری اس کا علم چاہتے تھے کہ حکمت کے لحاظ سے ایسا کہنا جائز ہے یا نہیں۔

4) مفسر سدیؒ کہتے ہیں اس لفظ میں ''سین'' زائد ہے یعنی لفظ ہے ''یطیع ربک'' مطلب کیا تیرا رب عطا کرے گا!

5) شاید لفظ ''رب'' سے مراد جبریل علیہ السلام ہو۔ کیونکہ وہ بھی توان کی تربیت (عربی لغت میں رب ''مربی'' یعنی تربیت کرنے والے کیلئے بھی مستعمل ہے) کرنے والوں میں سے تھے۔

6) یا یہ استفہامیہ جملہ ہے یعنی قدرتِ الٰہی تو ایک واضح معاملہ ہے کوئی عاقل اس میں شک کر ہی نہیں سکتا یعنی کوئی یہ کہے ''کیا بادشاہ اس فقیر کو کھانا کھلا سکتا ہے؟'' مفسر طوسی نے بھی بعینہ نیسابوری ایسی تفسیر نقل کی ہے۔

علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ''حواریوں کا ایسا کہنا ان کے معرفت وقدرت الٰہیٰ کے علم کی نفی کر رہا ہے کیونکہ اگر وہ جانتے اور علم رکھتے تو ایسا ہرگز نہ کہتے۔

کیونکہ کسی مومن کو ایسا کہنا زیب نہیں دیتا امام حلبی نے اس قول پر تنقید کی ہے کیونکہ اجماع امت کے برعکس ہے۔

ابن عطیہؒ لکھتے ہیں جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان کے مومن ہونے میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''تم میں جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے گا'' (سورۃ المائدہ آیت:۱۱۵)

اس فرمان سے بھی ان کے مومن ہونے کی تائید ہوتی ہے ایمان کی صفت ان کے غلط ہونے کی نفی کرتی ہے اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو حواریوں کی مشابہت اختیار کرنے اور ان کے طریقے کی اقتداء کا حکم بھی دیا ہے جیسا کہ فرمان ہے۔

﴿کُوْنُوْآ اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ﴾ (سورۃ الصّف آیت:۱۴)

''اللہ کے مددگار بن جاؤ جس طرح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے حواریوں سے کہا میری مدد کرنے والا کون کون ہے حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں''

اور رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی تعریف فرماتے ہوئے بیان کیا۔

''بے شک ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے میرا حواری سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ ہے''۔

(مسند احمد ج ۱:۸۹، ۱۰۲، ج ۳:۳۴۵، بغوی ج ۱:۱۵۳، فتح الباری لإ بن حجرؒ ج ۷:۸۰، ۴۰۶، شرح السنّة للبغویؒ ج ۴:۱۲۲ المکتب الإسلامی، السنه لإبن ابی عاصمؒ ج ۲ : ۶۱۰، ۶۱۱ المکتب الإسلامی، البدایۃ والنھایۃ لابن کثیرؒ ج ۱: ۸۹ ، ۱۰۲ ، السلسلة الصحیحة الألبانیؒ ۱۸۷۷)

اس کے علاوہ بھی اس آیت کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں (جو گزشتہ صفحات پر تفصیل سے موجود ہیں) اور ہم مذکورہ بالا تمام جوابات سے یہ سمجھ چکے ہیں کہ جو بھی اس آیت کو ''یستطیع'' پڑھے گا تو اس کے معانی کو مختلف توجیہات سے بدل دے گا۔ اس کی تاویل کرنے پر تمام مفسرین کا اجماع موجود ہے۔ حواریوں کی جہالت اور لاعلمی کا جو قول ہے وہ مفسر حلبی کے مطابق اجماع امت کے برعکس ہے اس لئے وہ قابلِ قبول نہیں ہے ہمیں نہیں معلوم بلکہ تعجب ہے کہ معترضین کیوں ایک خلافِ اجماع قول کو اختیار کر رہے ہیں؟؟؟؟

پانچویں غلط فہمی: پانچویں غلط بڑی فہمی مسند احمد کی ایک روایت کے متعلق ہے جو درج ذیل ہے

''سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! شرک سے ڈرو کیونکہ یہ چیونٹی کی آہٹ سے بھی پوشید ہوتا ہے (اس کے بعد آپ ﷺ نے مزید بیان فرمایا) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا جو چیز چیونٹی کی آہٹ سے بھی پوشیدہ ہے ہم اس سے کیسے بچ سکتے ہیں۔''

تو آپ نے فرمایا یہ دعا مانگا کرو۔

((اللھم انا نعوذبک ان نشرک بک شیاً نعلمه ونستغفرک لمالانعلمه))

''اے اللہ ہم اس شرک سے جس کو جانتے ہوئے کرتے ہیں تیری پناہ چاہتے ہیں اور جس شرک کو ہم نہیں جانتے اس کی معافی کے درخواست گار ہیں''۔

(تفسیر ابن کثیرؒ ج ۴:۳۴۴، التاریخ الکبیر للإمام البخاریؒ ج ۹:۵۸ تصویر بیروت، الترغیب والترھیب

للمنذریؒ ج ۱:۷۶طبعة مصطفی الحلبی،الدّرا لمنثور لسیوطیؒ ۴:۲۵۷،التحاف السادة المتقین لزبیدیؒ ج۸:۲۸۱، **اسی معنی میں مختلف الفاظ کے ساتھ دیکھیے:** تفسیرالقرطبیؒ ج ۱۱:۷۲،مسنداحمد ج۴:۴۰۳،عمل الیوم واللیلةلابن السنیؒ ۲۸طبع الھند ،الادب المفردللامام البخاری ۷۱۶مکتبه السلفیه ،التحاف السادة المتقین لزبیریؒ ۲:۲۷۳،۸:۲۸۱)

اس روایت پر یہ اعتراض ہے کہ یہاں رسول ﷺ خود تعلیم فرما رہے ہیں کہ شرک دو اقسام کا ہوتا ہے ایک جو معلوم شدہ ہے دوسرا جو پوشید خفیہ شرک ہے لہٰذا یہ درست ہوا کہ خفیہ شرک سے لاعلم رہنے والا معذور ہے۔

ازالہ: اس شبے کا جواب یہ ہے کہ ہمارا تمہارا اتفاق ہوگیا ہے کہ شرک کی دو اقسام ہیں ایک شرک اکبر جو حقیقی طور مسلمان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے دوسرا شرک اصغر جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور ہم اس بحث میں شرک اکبر کے متعلق کلام کر رہے ہیں اس حدیث سے معترضین کا استدلال شرکِ اصغر کے متعلق ہے جس سے بعض اوقات انسان لاعلم بھی رہ جاتا ہے اگر چہ اس کا علم ضروری ہے لہٰذا یہ اعتراض غیر مناسب اور غیر موزوں ہے۔

چند وضاحتیں !

(اول) زیر نظر سطور میں ابن حزمؒ کے کلام کی وضاحت کی جارہی ہے آپ لکھتے ہیں ''اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ رب کا ''جسم'' ہے یا تو وہ شخص تاویل کر رہا ہوگا یا وہ معذور ہوگا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اس کو تعلیم دینا ضروری ہے لیکن اگر اس کو قرآن وحدیث کی تمام دلیلیں دی جائیں اور پھر وہ سرکشی وعناد کرتے ہوئے انکار کردے تو وہ کافر ہوگا اس پر ارتداد کا حکم لگایا جائے گا۔

وضاحت! سابقہ صفحات پر یہ گزر چکا ہے کہ بعض صفاتِ باری تعالیٰ میں جہالت کی وجہ سے کفر کا حکم لگانے پر ہر ائمہ کے مابین اختلاف رائے موجود ہے بعض ائمہ ایسے ہیں جو صفاتِ باری تعالیٰ کے جاہل رہنے پر کفر کا حکم لگاتے ہیں جیسے طبریؒ اور اشعریؒ (اپنے ایک قول کے مطابق) اور بعض ائمہ ایسے بھی ہیں جو ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے ہیں جیسے اشعریؒ اپنے دوسرے قول کے مطابق یہ موضوع ہمارے مسئلے کے تقاضوں سے باہر ہے ہماری بحث تو اسلام کے بنیادی تقاضے،توحید کے متعلق ہے کیا کوئی توحید سے جہالت برتنے

والا معذور ہوگا؟ اس کو کفر میں ملوث ہونے کے باوجود مسلمان تصور کیا جائے گا؟؟

اسی طرح ابنِ حزمؒ کا یہ مذکورہ بالا قول ہے یہ ایک ایسی صفت کے بارے میں ہے جو صرف دلیل شرعی سے ہی معلوم کی جاسکتی ہے یہ ناممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جسم کی صفت کو منسوب نہیں کیا جاسکتا۔اللہ تعالیٰ کے (مخلوق کی مشابہت سے منزّہ وپاک ہونے کے باوجود) ہاتھ ہیں مگر ہمارے ہاتوں جیسے نہیں اللہ کی آنکھیں ہیں نفس ہے مگر ہمارے جیسے نہیں اسی طرح عقل اس بات سے بھی نہیں روکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہو جو ہمارے جسم جیسا نہ ہو!!! لیکن شریعت میں جہاں دیگر صفات کا ذکر ہے وہاں ''جسم'' کی صفت کا تذکرہ نہیں ہے۔جس طرح ذاتِ باری تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صفتِ جسامت کی نفی کی جائے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ کسی منکر یا سرکش پر کفر کا فتویٰ لگانے سے قبل اس کو یہ تبلیغ کی جائے کہ شریعت میں ایسی صفات کی نفی وارد ہوئی ہے دراصل ابنِ حزم نے ایسے لوگوں کا رد فرمایا ہے جو متاوّلین (متاوّلین یعنی تاویل کرنے والے) اہلِ اسلام کو اس آیت سے دلیل پکڑتے ہوئے کافر قرار دیتے ہیں وہ آیت درج ذیل ہے۔

﴿ **قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالاً 0 اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاوَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا** ﴾ (سورة الکهف آیت:۱۰۳،۱۰۴)

''اے نبی ﷺ فرمادیجیے:اگر تم کہو تو میں تمہیں بتادوں کہ عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ کون خسارے میں ہے؟ وہ لوگ ہیں کہ جن کی زندگی کی تمام کوششیں بیکار ہوگئیں اور وہ اسی گمان میں ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔''

اسی آیت کے ذیل میں ابن حزمؒ لکھتے ہیں اگر یہ آیت تاویل کرنے والے جملہ مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ تمہارا نظریہ ہے تو اس ضمن میں تو تمام ایسے لوگ جو فتاویٰ میں تاویل وتعبیر کرتے ہوئے غلطی کا شکار ہوئے ہیں شامل ہوجائیں گے بلکہ اس آیت سے تو تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی (معاذ اللہ) کفر لازم آتا ہے جو اختلاف رائے کا شکار ہوئے'' جو لوگ بھی تاویل کرنے والوں کو ان کے اقوال کی وجہ سے کافر کہتے ہیں چوں کہ انکی تاویل سے بظاہر کفر معلوم ہوتا ہے تو وہ غلطی پر ہیں کیونکہ یہ ان

پر جھوٹ ہے اور بے بنیاد افتراء پردازی ہے۔

یہ واضح ترین دلیل ہے کہ ابن حزمؒ کا یہ مناقشہ ہمارے مسئلے سے تعلق نہیں رکھتا دراصل یہ مسئلہ تاویل کرنے والے مسلمانوں کو کافر قرار دینے کے بارے میں ہے یہ متاؤلین دین کی اصل بنیاد، توحید پر تو اتفاق رائے رکھتے ہیں لیکن اعتقادی اصول یا دیگر احکام شریعت میں اختلاف رائے رکھتے ہیں ابن حزمؒ بذاتِ خود دوسرے مقام پر بیان فرماتے ہیں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جس کو ان کے کسی قول یا بعض اعمال کی بناء پر کافر قرار دیا جاتا ہے حالانکہ وہ دل سے انکاری نہیں ہوتے بلکہ ان کو تو خبر بھی نہیں ہوتی کہ انہوں نے کفر کیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾ (سورۃ الحجرات آیت:۲)

’’اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور جس طرح تم آپس میں اونچی آواز سے بات کرتے ہو اس طرح نبی (کے سامنے) آواز اونچی نہ کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو شعور بھی نہ ہو۔‘‘

اس آیت کے ذیل میں اابن حزمؒ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مؤمنین سے واضح طور پر خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر مومنین اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند کریں گے تو ان کے ایمان یکبارگی ضائع اور ان کے اعمال باطل ہو جائے گے اس حال میں کہ ان کو شعور بھی نہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو کوئی شعور یا احساس بھی نہ ہوگا اگر وہ منکر ہوتے تو ان کو شعور ضرور ہوتا لہٰذا صحیح اور درست رائے بھی یہی ہے کہ بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جو کفر کا باعث اور ایمان کے ضائع ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں اور بعض اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جو کفر کا باعث نہیں بنتے۔

ابن حزمؒ تاکیداً بیان فرما رہے ہیں کہ کچھ کافر تو ایسے ہوتے ہیں جن کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کفر کر رہے ہیں یہ فعل انہیں لوگوں سے سرزد ہو سکتا ہے جو اس امر سے جاہل ہوتے ہیں کہ ان کا یہ فعل کفر ہے اگر وہ جاہل نہ ہوتے تو لازمی بات ہے کہ ان کو شعور ہوتا (جن کو قرآن میں بے شعور کہا گیا ہے) صحیح قول یہی ہے کہ وہ اپنے

فعل کے کفریہ ہونے سے جاہل ہیں۔

ابن حزمؒ کے مذکورہ بالا سے یہ تقویت ملتی ہے کہ آپ کا مذکورہ قول مسئلہ توحید یا جہالت کی وجہ سے شرکِ اکبر میں ملوث ہونیسے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ تو صفات الٰہی سے جہالت کے متعلق بحث ہے کہ اس جاہل کے بارے میں اسلام کا حکم کیا ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ ابنِ حزمؒ کے کلام سے بعض چیزیں نقل کر کے استدلال کرنا یا اعتراض کرنا درست نہیں بلکہ ضروری امر یہ ہے کہ ابنِ حزم کے تمام مختلف مواقع اور مختلف مباحث کے متعلق تمام اقوال ونظریات کا علم رکھا جائے تاکہ مکمل معرفت ہو سکے۔

وضاحتِ ثانی! دوسری اہم وضاحت مفسر قاسمیؒ کی تفسیر محاسن التاویل کے متعلق ہے پہلے ہم آیت اور اُس میں قاسمیؒ کی تفسیر جو نکتہءِ اختلاف ہے نقل کیئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ﴾ (سورۃ النساء آیت:۱۱۶)

’’اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کرنے کو نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دے گا‘‘۔

اس آیت کی تفسیر میں محترم قاسمیؒ قاضی ابی بکر بن العربیؒ المالکی کا قول نقل کرتے ہیں ’’اس آیت کے جاہل اور خطا کار اگرچہ کفریہ اور شرکیہ عمل بھی کرتے ہوں تو بھی ان کو کافر یا مشرک نہیں کہا جائے گا بلکہ اُن کو جہل اور خطاء کی بناء پر معذور سمجھا جائے گا حتیٰ کہ ان کو دلائل و براہین کے ذریعے ان احکامِ اسلام کے متعلق ضروری اور قطعی واضح معلومات نہ دے دی جائیں جن کو ترک کرنے سے کفر لازم آتا ہے اور جب تک وہ جاہل دین اسلام کے ضروری قطعی اور اجتماعی احکامات بغیر کسی غور وفکر کے تمام مسلمانوں میں معلوم شدہ احکامات کا انکار نہ کر دیں اُن کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔‘‘

حق بات تو یہ ہے کہ جس کسینے قاسمی کے کلام کو اس کی تفسیر میں صحیح طریقے سے پڑھا ہے اور اس موضوع سے متعلق امام ابن العربیؒ، ابن القیمؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے نقل کردہ کلام کو بطریق احسن سمجھا ہے اور وہ اقسام جہالت سے اچھی طرح واقف ہے تو وہ باآسانی اس قول کو بیان کرنے کی وجوہات سے باخبر ہو جائے گا

جس طرح ہم ذیل میں (انشاءاللہ) بیان کریں گے۔

مُفسّر قاسمیؒ نے بذاتِ خود تنبیہ کردی ہے کہ وہ اپنے اس کلام میں شرکِ اکبر مرادنہیں لے رہے جو اسلام سے خروج کا سبب بنتا ہے بلکہ وہ ان گناہوں کے متعلق بحث کررہے ہیں جن کو بطور تشدد شرک کہا گیا ہے آپ نے اپنی اس رائے کو امام بخاریؒ کے کلام سے ماخوذ کیا ہے مفسر قاسمیؒ رقم طراز ہیں ''حدیث میں جہاں کہیں بھی یہ الفاظ موجود ہیں کہ ''جس نے ایسا کیا وہ مشرک ہے یا جس نے یہ کام کیا اس نے کفر کیا''تو ان الفاظ سے مراد شرکِ اکبر یا ایسا کفر نہیں ہوتا جو اسلام سے خارج کردیتا ہو اور مرتد بنادیتا ہو امام بخاریؒ بھی فرماتے ہیں۔

''یہ باب کفران''''عشیر'' کے متعلق ہے یہاں پر کفر سے مراد چھوٹا کفر ہے۔''

اور قاضی ابوبکر بن العربیؒ (اپنی شرح) میں فرماتے ہیں جس طرح بعض نیکیوں کو ایمان کہا جاتا ہے اسی طرح بعض گناہ کو بھی کفر کہا جاتا ہے لیکن اس کفر سے مراد وہ کفر نہیں ہوتا جو اسلام سے خروج کا سبب بنتا ہے اور اسی طرح سے امت کا جاہل اور خطاء کار بھی ہے۔(آخر تک اس ابتدا کی وضاحت مذکور ہے)

سبحان اللہ! کیا یہ اس بارے میں واضح ترین بیان نہیں ہے کہ یہ قول صرف ان گناہوں کے متعلق ہے جن کو مجازاً بطور سختی کفر یا شرک کہا گیا ہے اور یہ قول اس شرک اکبر مثلاً غیر اللہ کو بندگی کے لئے پکارنا بتوں کے حضور سجدہ ریز ہونا وغیرہ کے متعلق نہیں جو مسلمان کو اسلام سے خارج کردیتا ہے اسی طرح قاسمیؒ نے امام ابن القیمؒ کے کلام نقل کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ یہ بحث ان بدعتی فرقوں کے متعلق ہے جو اصولِ اسلام، توحید پر تو متفق ہیں لیکن بعض اصول شرعیہ میں اختلاف کرتے ہیں۔(لیکن تعجب ہے ان لوگوں پر جو قرآن وسنت کے واضح اور بین دلائل کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد بھی علماء کی مبہم عبارتوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں)

ابن القیمؒ بدعتی فرقوں کے متعلق رقم طراز ہیں: یہ فرقے اسلام کے بنیادی معاملات پر تو اتفاق کرتے ہیں لیکن بعض اصول میں اختلاف رائے کا شکار ہیں ان فرقوں میں خوارج، معتزلہ، روافض، قدریة، جھمیّة، اور غلاۃ المرجئة شامل ہیں بس ان میں بھی کئی اقسام ہیں ایک قسم اس جاہل مقلد کی ہے جس میں کوئی بصیرت نہیں۔ جب تک وہ راہِ ہدایت کو معلوم کرنے پر قادر نہ ہو اس وقت تک اس کو نہ تو کافر کہا جائے گا اور نہ ہی فاسق اور اسکی گواہی کو بھی مسترد نہیں کیا جائے گا:-

لیجئے یہ ابن القیمؒ ہیں جو وضاحت فرمارہے ہیں کہ یہ بحث ان بدعتی لوگوں کے متعلق ہے جو اسلام کی بنیاد پر تو متفق ہیں لیکن اصول وضوابط میں اختلاف رائے رکھتے ہیں اور گزشتہ صفحات پر ہم واضح کرچکے کہ بعض ائمہ اہلسنت کے نزدیک کچھ شرعی یا اعتقادی اصول ایسے ہیں جن سے لاعلم اور جاہل رہنے والے شخص کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا جب تک کوئی حجت اس پر قائم نہ ہوجائے۔

مثال کے طور پر جس طرح معتزلہ ہیں جو شفاعت، پل صراط اور میزانِ روزِ قیامت کے قائل نہیں ہے اور نظریہ خلق افعال (یہ معتزلہ اور اہل السنة کے مابین ایک مشہور تنازع ہے۔معتزلہ کے نزدیک انسان اپنے افعال واعمال میں آزاد ہے۔یعنی وہ اپنے افعال کا خالق ہے جبکہ اہل السنة کے نزدیک جسطرح اللہ بندوں کا خالق ہے اسی طرح بندو کے افعال کا بھی خالق ہے یہاں بتایا گیا ہے کہ خلق افعال کے نظریہ میں معتزلہ ثبوت کے قائل ہیں) کے ثبوت کے قائل ہیں اس کے علاوہ دیگر کئی مخفی معاملات ہیں جو معتزلہ میں پائے جاتے ہیں مگر وہ عوام الناس کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ان مذکورہ بالا نظریات رکھنے والے شخص کے کفر میں اہل سنت کے مابین اختلافات پائے جاتے ہیں۔امام ابن القیمؒ بڑے بڑے بدعتی فرقوں کے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ان فرقوں کے مخصوص ومتنازع افکار کے متعلق ان سے پوچھا جائے۔ان سے ان کے دعوں کی دلیل طلب کی جائے بلکہ ان کے سامنے راہِ ہدایت واضح کی جائے اور پھر بھی وہ اپنے نظریات پر ڈٹا رہے تو اُسے اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے ان نظریات رکھنے والوں میں سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ وہ فاسق ہیں لیکن ان کو کافر قرار دینا ایک اجتہادی رائے ہے(جو صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی)۔

اور یہی وہ صحیح نظریہ ہے جو امام شاطبیؒ نے ان بدعتی فرقوں کے متعلق مسئلہ تکفیر میں بحث کے دوران اپنایا ہے آپ ذکر کرتے ہیں ان فرقوں کو کافر قرار دینا ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور اس بارے میں ائمہ کا اختلاف موجود ہے خاص طور پر مفسر قاسمیؒ صاحب کے ان اقوال پر غور کیجئے جو آپ نے موضوع کے متعلق بیان کیئے ہیں ان کا کلام دلالت کرتا ہے کہ یہ پیش کردہ مسئلہ دراصل متاولین اور 72 بدعتی فرقوں کے مسئلہ کفر کے متعلق اختلافات کے بارے میں ہے۔

امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں جو شخص دل سے رسول ﷺ اور قرآن پر ایمان لاتا ہو اور اس کے بعد

اگر وہ بعض احکام کی غلط تاویل وتعبیر کرے اور اس تاویل کی طرف دعوت فکر بھی دے تو بھی اس کو کافر نہ کہا جائے گا'' (ذھن میں رہے کہ یہاں تأویل احکام میں ہے عقیدہ میں کیونکہ عقیدہ میں تأویل جائز نہیں)

امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ''خوارج اور دیگر فرقوں کے کفر کا مسئلہ شروع کرنے کے بعد لکھتے ہیں'' کفر اس وقت لاگو ہوتا ہے جب دین کے بنیادی مسائل یا متواتر اور متفق علیہ احکامات کا انکار کیا جائے۔'' لہٰذا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور وہ اسلام کا اظہار اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائیں گے اگرچہ وہ بعض ایسے قولی یا فعلی گناہوں کا مرتکب ہو جن پر (مجازاً بطور سختی) کفر یا شرک کا لفظ بولا گیا ہو۔

امام ابن القیمؒ لکھتے ہیں'' قرآن میں ہے کہ۔

﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ (سورۃ یوسف آیت:۱۱۶)

''نہیں ایمان لاتے اکثر لوگ اللہ پر مگر وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ہونے کے باوجود مشرک ہونے کا بیان فرمایا ہے لیکن اگر اس شرک کے ساتھ رسولوں کی تکذیب جیسا گناہ بھی شامل ہو جائے تو پھر ایمان کی موجودگی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور اس طرح رسولوں کی تصدیق کے ساتھ ساتھ شرکِ اصغر ایسے کئی گناہ کا ارتکاب کیا جائے تو یہ گناہ اس کو رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان سے خارج نہیں کرتا لیکن ایسے گناہوں کے مرتکبین بڑی وعید کے مستحق ہونگے۔

امام غزالیؒ بیان فرماتے ہیں۔ میں تمہیں (تکفیر کے بارے میں) ایک ایسی واضح نشانی بتلاتا ہوں جو تمہیں درست نصب العین اپنانے پر مجبور کردے گی۔ اس علامت کی وجہ سے مختلف فرقوں کو کافر قرار دینے اور اہل اسلام پر زبان درازی سے باز آجاؤ گے وہ علامت وہ نشانی یہ ہے کہ جب تک وہ (لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں اور اسکے برعکس کوئی کام جو اسلام سے خارج کرنا والا نہ کیا ہو (اس پر کفر کا فتویٰ نالگایا جائے)۔

اے معترضین! اللہ آپ پر رحم فرمایئے آپ ائمہ کرام کے اقوال اور جن لوگوں کے بارے میں یہ اقوال ہیں ان پر غور فرمائے کہیں ایسا تو نہیں کہ آنکھ صرف من پسند لفظوں کو ہی پڑھتی ہے اور ناپسندیدہ اقوال کی طرف

نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی گزشتہ بحث سے یہ تو واضح ہو گیا ہے کہ قاسمیؒ کے کلام سے استدلال غیر موزوں اور غیر مناسب ہے۔

جس طرح واضح ہو گیا کہ امام ابن القیمؒ اور شاطبیؒ کے وارد کردہ کلام کے مطابق بدعت کے داعی حضرات کے کفر اور صحیح راستے کی تعلیم پر نہ قادر ہونے والے جاہل مقلدین کے معذور ہونے پر کوئی اختلاف نہیں ہے اسی طرح جو اسلام کی بنیاد، توحید سے جاہل رہتا ہے اس کے کفر میں بھی کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔

وضاحت ثالث! تیسرا بڑا مسئلہ امام صدیق حسن خان قنوجیؒ مصنف روضۃ الندیۃ کے قول پر ہے۔ امام شوکانیؒ سے منقول ہے کہ۔

اِن فرقوں کے مشرکانہ عقائد کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ یہ فرقے طریقہ اسلام سے اپنی مخالفت کرنے سے جاہل ہیں (یعنی یہ فرقے جن عقائد باطلہ پر ہیں وہ عقائد یقیناً اسلام کے صریح مخالف ہیں لیکن یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے نہیں جانتے۔ کیونکہ یہ تو اپنے مسلکی پیشواؤں کے اندھے مقلد ہیں)۔ اور اس طرح ان کفریہ افعال کے ارتکاب کی بھی کوئی بڑی اہمیت نہیں ہے جو اسلام سے خارج ہونے کا سبب نہیں بنتے۔ اور اکسی مسلم کا ایسا کلمہ کفر منہ سے نکالنا جو کفر پر دلالت کرے اس مسلم کے حق میں اُسکا کوئی اعتبار نہیں جب مسلم اسکے معنی کا عقیدہ نہ رکھے۔ (روضۃ الندیۃ للعلامہ صدیق حسن خانؒ کتاب الحدود باب بیان سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر)

وضاحت! ہم نے گزشتہ صفحات پر بارہا کہا ہے کہ بحث کرنے سے قبل ضروری ہے کہ فقیہ کے قول کی طرف رجوع کیا جائے۔ تاکہ ہم فقیہ کے مقصد ذکر کو سمجھ جائیں اور اسکے ماقبل اور مابعد کلام کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرلیں۔ تاکہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ دراصل یہ کس موضوع کی مناسبت سے بحث کی جارہی ہے۔ جہالت کے جس موضوع پر بحث کی جارہی ہے اسکا مقصد کیا ہے تاکہ نہ تو کلام کرنے والے پر ظلم ہو اور نہ ہی اس پر غلط قول منسوب کرکے اسپر وبال ڈالا جائے۔ اور نہ ہی جلد بازی اور غلط تعبیر سے غیر مقصود کلام کو سمجھ کر اپنے آپ پر ظلم کریں۔

اور جب ہم ایسا سب کچھ کریں گے تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ امام قنوجیؒ اس مقام پر کفر اکبر کے متعلق

بحث نہیں کررہے۔جسکا ارتکاب کسی بھی مسلمان کو اسلام سے خارج کردیتا ہے۔ بلکہ آپ تو ان گناہوں کے متعلق بحث فرمارہے ہیں جن پر احادیث میں کفر یا شرک کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے۔ایسے گناہ کبھی تو شرک اصغر ہوتے ہیں اور کبھی گناہ گار کی کیفیت' نیت اور مقصد کے پیش نظر شرک اکبر گردانے جاتے ہیں۔اور آپ تاویل کرنے والوں کے مسئلہ تکفیر پر بھی بحث فرمارہے۔

وگرنہ کسی مسلم کے نزدیک ایسے شخص کے کفر کرنے کی وجہ سے اسلام سے خارج ہونے پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے چاہے وہ عالم ہو یا جاہل۔

ہم اپنے دعوے پر بطور دلیل امام صاحبؒ کے کلام کی نقل پیش کرتے ہیں۔جو معترضہ کلام سے قبل اور بعد میں مذکور ہے۔آپ معترضانہ کلام سے گزشتہ صفحہ پر لکھتے ہیں۔''یہ جو بعض اہل علم کا قول ہے کہ تاویل کرنے والا مرتد کی طرح ہے تو اس قول پر آنسو بہانا اور اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار پر ماتم کرنا چاہیئے۔کیونکہ بغیر قرآن وسنت کی کسی دلیل کے مسلمانوں پر کفر کے فتوے صادر کرنے کے سلسلے میں تعصب غالب ہو چکا ہے۔بلکہ جب سے شیطان کی کارگزاری بڑھی ہے اور تعصب کی کڑاہی میں ابال آیا ہے اسی وقت سے مسلمانوں کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔(روضة الندية للعلامه صديق حسن خانؒ کتاب الحدود)

اپنے اس کلام کے بعد امام صاحبؒ نے قرآن وسنت کی دلیل یا اجماع امت کے بغیر کسی مسلمان کی رائے فکر یا تاویل کی وجہ سے اس کی تکفیر کرنے سے باز رکھنے پر مفصل کلام تحریر فرمایا ہے۔ پھر فوراً اسکے بعد مذکورہ بالا معترضانہ کلام لکھتے ہیں۔اور اس متنازع قول کے مابعد رقم طراز ہیں۔

اگر تم یہ کہو کہ احادیث میں تو اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانے پر کفر کا لفظ بولا گیا ہے۔

(مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِاللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ کے الفاظ کے ساتھ جامع ترمذی ۱۵۳۵،مسند أحمد ج۲:۱۲۵،مستدرك الحاكم ج۱:۱۸،۵۲،تصوير بيروت،السنن الكبرىٰ للبيهقي ج۱۰:۲۹،اور((فَقَدْ أَشْرَكَ)) کے الفاظ کے ساتھ ،مسند أحمد ج۲:۶۷،۸۷،۱۲۵،مشكل الآثار لطحاوي ج۱:۳۵۸،۳۵۹،مشكوٰة المصابيح تبريزي ۳۴۱۹،فتح الباري لا بن حجرالعسقلاني ج۱۰:۵۱۶، كنزالعمال للمتقي الهندي ۴۶۳۲۸،مواردالظمان للهيثمي ۱۱۷۷،تفيسرابن كثير ج۴:۳۴۲،السلسلةالصحيحةللألباني ج۳:۱۵۵)

''یا تم یہ کہو کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والے پر بھی کفر کا لفظ احادیث میں وارد ہوا ہے''۔

(حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ((مَنْ كَفَّرَ اَخَاهُ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا)) کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے (اگر وہ کافر ہے تو ٹھیک وگرنہ کافر کہنے والا) خود کافر ہو جائے گا بِهِ أَحَدُهُمَا کے الفاظ کے ساتھ ابو عوانة ج۱:۲۲،اور ((بِهَا أَحَدُهُمَا)) کے الفاظ کے ساتھ مسنداحمد ج۲:۱۴۲،تاريخ بغداد للخطيب بغدادي ۹:۹۳)

یا خلاف شریعت عمل کرنے پر بھی کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

جیسا کہ حدیث رسول ﷺ ہے۔

((لاترجعوا بعدی كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض))

''میرے بعد تم کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو''

(صحيح بخاريؒ ج۱:۴۱،ج۲:۲۱۶،ج۵:۲۲۳،۲۲۴،ج۷:۱۳۰،ج۸:۴۸،۱۹۸،۹:۳،۶۳،۶۳،۱۶۳، صحيح مسلمؒ كتاب الإيمان ب۲۹ رقم ۱۱۹، ۱۲۰،اسی طرح ((لَاتَرْجِعُوا بَعْدِيْ ضُلَّالًا)) سنن نسائي ج۷:۱۲۷، مسنداحمد ج ۵: ۳۷، اور دیکھیے ((لاتَرْتَدُّوا بَعْدِي كفا راً)) مجمع الزوائد ج۶:۲۸۳، صحيح بخاري ج۹:۶۳،فتح الباريؒ ۱۳:۲۶)

ان احادیث کے مطابق تم یہ سوال کرو کہ ایسے افعال کے مرتکبین پر کفر کا اطلاق ضروری ہے اگرچہ ایسا کہنے یا کرنے والے کا مقصد اسلام سے خروج نہ تھا۔تو ہم اسکا جواب یہ دیں گے''ان احادیث اور ان جیسی دیگر احادیث کے بارے میں اگر تم صحیح تعبیر وتاویل نہ کرسکو اور تمہیں کوئی دوسرا مفاہمانہ راستہ بھی نہ ملتا ہو تو تم یہ کہہ کر سکوت اختیار کرو کہ رسول اللہ ﷺ نے جس فعل پر کفر کا لفظ بیان فرمایا ہے وہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ بیان کیا گیا!!(روضة الندية للعلامه صديق حسن خانؒ کتاب الحدود باب بیان سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر)

امام صاحبؒ کے کلام سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہوگیا ہے کہ آپ اس فعل یا قول کے متعلق گفتگو فرمارہے ہیں۔جن پر احادیث میں بطور تغلیظ وسختی کے کفر یا شرک کے الفاظ وارد ہوتے ہیں جو دراصل شرک اصغر ہوتا ہے۔شرک اصغر کا ارتکاب کرنے والوں پر کفر کا فتویٰ صادر کرنے سے قبل ہمیں ان کی نیت اور مقصد پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے مثال کے طور پر امام صاحبؒ کے آگے بیان کیے گیے ان اقوال پر غور کرنا چاہیئے جب آپ کفر اکبر کی اقسام اور اسکے احکام کا بیان شروع کرتے ہیں تو بغیر کسی تردّد اور جھجک کے مرتد

ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔

جیسا کہ درج ذیل کلام میں آپ فرماتے ہیں۔ جادو کا عمل کرنا کفر کی ایک بڑی قسم ہے۔

لہٰذا جادو کرنے والے کا حکم تو مرتد جیسا ہے وہ بھی اُس چیز کا مستحق ہے جسکا مرتد مستحق ہوتا ہے، پھر آپ جادو کی سزا کے بارے میں اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

''میرا خیال ہے کہ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے جو اسلام لانے کے بعد جادو سیکھے تو وہ اس فعل کی وجہ سے کافر اور مرتد ہو جائے گا۔ اور اسکی سزا بھی مرتد جیسی ہی ہوگی۔ ایسا زندیق شخص جو اپنے کفر کو پوشیدہ رکھے اور ظاہراً مسلمان ہو اور شریعت اسلام کے باطل ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ اپنے اس غلط نظریئے کی وجہ سے کافر ہے اسکا شمار بدترین مرتدوں میں سے ہوگا۔ جب سے اسکا کفریہ عمل یا قول ظاہر ہو جائے۔''

امام قنوجیؒ مزید لکھتے ہیں۔ اللہ اسکے رسول ﷺ اسلام یا قرآن وسنت کو گالی دینے والا یا دین میں طعن و تشنیع کرنے والا واضح ترین کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسکا حکم اور اسکی حد مرتد کی ہے۔ امام صاحب گالی دینے والے کو قتل کرنے کے حکم والی احادیث کا ذکر کرنے کے بعد بیان فرماتے ہیں۔

مکتبہ شافیہ کے بڑے امام ابوبکر فارسیؒ ''کتاب الاجماع'' میں لکھتے ہیں کہ ''جب رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کا حکم ثابت ہو گیا تو بطریق اولیٰ اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث اور اسلام میں طعن و تشنیع کرنے والے کا حکم بھی ثابت ہوتا ہے۔ اور ایسے گناہ کے مرتکب کے کفر میں کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں رہتی۔''

مزید لکھتے ہیں۔

''نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والا علماء کے نزدیک متفقہ طور پر کافر ہے وہ توبہ بھی کرے تو قتل کی سزا ساقط نہ ہوگی۔''

امام شوکانی علیہ الرحمہ نے بذات خود اپنے بعض رسائل میں اپنے دور کے اکثر اہل یمن پر کفر اور اسلام سے مرتد ہونے کا حکم لگایا ہے۔ آپ اپنے دلائل بایں طور پر ذکر فرماتے ہیں۔

معلم شریعت ﷺ کا فرمان ہے۔ ''آدمی اور کفر کے درمیان فرق صرف نماز ہے'' لہٰذا تارکین صلوٰۃ کافر ہوئے۔

(سنن دارمی ج ۱: ۲۸۰، ابوعوانۃ ج ۱: ۶۱، سنن دارقطنی ج ۲: ۵۳، کنزالعمال ۱۹۰۹۹، السنن الکبریٰ

للبیھقی ج ۳: ۳۶۶، الترغیب والزھیب ج ۱: ۳۷۸، المتھید لابن عبدالبر ج ۴: ۲۲۷، مسندالربیع بن حبیب ج ۱: ۶۱ طبعہ ''تصویر'' مکتبہ التقافۃ تفصیل کیلئے موسوع اطراف الحدیث ج ۶ ص ۸۳۸ دارالفکر)

اور اس حکم میں وہ نمازی بھی شامل ہیں جو نہ تو ارکان نماز صحیح طور پر ادا کرتے ہیں اور نہ ہی از کار نماز (دعائیں ' قرآت قرآن) کو مکمل طور پر ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ نماز اہم ترین فریض ہے۔ فرض کرنے والی ذات نے اسکو تاکید کے ساتھ فرض قرار دیا ہے۔ اور لوگ بھی جانتے ہیں کہ نماز ارکان اور از کار کے بغیر صحیح ادا نہیں ہوتی۔

امام شوکانیؒ مزید لکھتے ہیں۔ ''عوام الناس میں بہت سے لوگ کفریہ الفاظ اپنے منہ سے نکالتے رہتے ہیں مثلاً۔ وہ ایسے کرے گا تو یہودی بن جائے گا۔ اسکو یہ کام کرنا چاہیئے وگرنہ وہ یہودی ہے۔ لوگ اپنے فعال یا اقوال سے لاعلمی میں ہی مرتد ہو جاتے ہیں۔ اکثر اوقات ایسے الفاظ بکتے رہتے ہیں جس سے طلاق تک واقع ہو جاتی ہے (اور ان کو شعور بھی نہیں ہوتا) اس میں کوئی شک اور ریب کی گنجائش نہیں ہے کبیرہ گناہوں جیسے افعال کا مرتکب ہونا کفر کو لاگو کرنے کا ایک بڑا سبب ہے۔ اس سے ایمان چھن جاتا ہے۔ ایسے مکروہ افعال کا انکار کرنا ہر مسلمان مرد و زن پر لازم ہے۔ اور ہر صاحب استطاعت پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کرے تاکہ مسلمان اس حقیقی دین اسلام کی طرف لوٹ آئیں جسکو اللہ رب العزت نے خاتم الانبیاء ﷺ پر نازل فرمایا تھا۔''

اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ دیکھیئے کہ کس طرح موئفؒ نے شرک اکبر کے فاعل پر مشرک ہونے کا حکم لگایا ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کا کفر کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے دیکھیئے کس طرح امام شوکانیؒ اہل یمن پر کفر کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ اسکے باوجود کہ لوگ اپنے خیال میں نمازوں کی ادائیگی کرتے ہیں۔ لیکن انہیں خبر ہی نہیں کہ انکی نمازیں صحیح نہیں۔ انکا حکم ایسے ہی ہے کہ گویا انہوں نے نماز ادا کی ہی نہیں جب یہ معاملہ اس قدر اہم ہے تو ہم کیسے مان لیں کہ جو شخص کفریہ اور شرکیہ عمل کی وجہ سے مرتد ہو جائے تو اسکی لاعلمی کی وجہ سے اسکا عذر قبول کر لیا جائے گا؟ بلکہ اسکا عذر قابل قبول نہیں اور اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ امام شوکانیؒ کے نزدیک تو ایسے لوگ اس دین اسلام پر نہیں جو رسول اکرم ﷺ لے کر آئے تھے۔ بلکہ آپؒ نے تو مقتدر لوگوں پر ان کے خلاف جنگ کا بھی حکم دیا ہے۔

کسی کو متعین کر کے کافر قرار دینا

چند اہم مباحث

گزشتہ صفحات میں واضح ہو گیا ہے کہ کچھ ایسے اقوال واعمال ہوتے ہیں جن کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دیا جاتا ہے مثلاً ایسے مقام پر جہاں (قرآن وحدیث) کے علوم دستیاب ہوں۔

(1) متواتر احادیث کا انکار کرنا۔

(2) ایسے ہی مقام پر دین اسلام کے کسی قطعی اصول کا انکار کرنا۔

(3) کسی حلال چیز کو حرام یا حرام کو حلال قرار دینا۔ باوجود اس علم کے کہ یہ فعل دین کے برخلاف ہے۔

یہ تمام امور اور دیگر ایسے اعمال کا مرتکب بلا شک وشبہ کافر ہوتا ہے۔ بالخصوص جہاں پر علوم شریعت دستیاب بھی ہوں۔

جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات پر واضح کر دیا۔ اگر وہ جاہل ہو اور علم قرآن وحدیث کے ممکنہ دستیاب ہونے کے مقام پر بھی نہ رہتا ہو تو ایسے اعمال کرنے یا کہنے والے کو اسوقت تک متعین ومخصوص کر کے کافر نہیں کہا جائے گا جب تک کوئی واضح اور غیر متنازعہ دلیل نہ قائم کر دی جائے لیکن دلیل وحجت کو قائم کرنے کے بعد بھی اپنے قول پر ڈٹا رہنے والا کافر ہوگا۔

اس تمام بحث میں اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ شرک اکبر پر ظاہر ہی لحاظ سے حکم لگایا جائے گا۔ شرک اکبر کے بارے میں یہ اصول مقرر کیا گیا ہے کہ ''ہر وہ شخص جس کا کفر ارکان توحید میں سے کسی رکن کے بارے میں ہو' یا وہ شرک اکبر کا ارتکاب کر رہا ہو تو وہ شخص متعین کافر ہے۔ کیونکہ دنیا میں ظاہر کی بنیاد پر حکم لگایا جاتا ہے اور اس شخص کا ظاہر شرک اکبر تقاضا کر رہا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کا کفر امور شریعت میں (توحید اور شرک) کے علاوہ ہے اور وہ شخص قرآن وسنت کے علم کے حصول کے ممکنہ مقامات پر بھی نہیں رہتا تو جب تک کوئی حجت نہ قائم کر دی جائے اسکو کافر نہیں کہا جائے گا۔

کیونکہ شریعت محمدیہ کے تمام فروعی احکام اس شخص تک نہیں پہنچے۔ لیکن اگر وہ تمام تریاد دہانی اور تکمیل

حجت کے بعد بھی انکار پر ڈٹا رہے تو وہ بلا شبہ کافر ہوگا۔ (ان اہم امور میں بعض افراد غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں) جیسا کہ بعض حضرات یہ گمان کرتے ہیں کہ جہالت ہر حالت میں قابل عذر ہوتی ہے اگر چہ وہ توحید اور دیگر امور شریعت کے متعلق ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح بعض ایسے بھی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ کسی بھی شخص کی تکفیر معین (یعنی نام لیکر کہنا کہ یہ کافر ہے تکفیر معین کہلاتی ہے۔) مطلقاً جائز نہیں ہے۔

اگر چہ اس پر حجت قائم ہو یا نہ ہو کسی بھی صورت میں کسی کو مخصوص کر کے کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ قول تمام تر اجنبیت وانفرادیت اور عقل ونقل کے خلاف ہونے کے باوجود' امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے کلام سے بطور دلیل واستنباط اخذ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ قول اخذ کرنے والوں نے نہ تو اسکے مفہوم کو سمجھا ہے اور نہ ہی ماقبل ومابعد کلام سے مربوط کر کے پڑھا ہے۔

بلکہ کلام کے بعض ٹکڑوں پر ہی اکتفار کر لیا گیا ہے جیسا کہ ''ہم کس کو مخصوص کر کے یہ گواہی نہیں دے سکتے کہ وہ جہنمی ہے کیونکہ ہم کو علم نہیں کہ بعینہ اسکو سزا ہوگی یا نہیں'' جیسے تراشوں کو دلیل بنا کر کیئے ہیں۔

''کہ کسی متعین کی تکفیر مطلقاً جائز نہیں صرف یہ کہا جا سکتا ہے جو شخص ایسا عمل کرے یا ایسی بات کہے وہ کافر ہے یا یہ قول یا عمل کفر یہ ہے۔''

لیکن ایسا کام کرنے یا کہنے والے کی تکفیر نہیں کی جا سکتی اگر چہ اس پر دلیل وحجت قائم ہو یا نہ ہو اسی طرح وہ (قرآن وسنت) کے علم کی دستیابی کے مقام پر رہتا ہو یا نہ ہو۔

حق بات تو یہ ہے کہ امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس جھوٹ سے بری الذمہ ہیں۔ کیونکہ ایسی رائے اختیار کرنے سے تو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور حدود معطل ہو جائیں گے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ﴾

(سورۃ المائدہ آیت:۵۴)

''اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے مرتد ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم لے آئے گا جو اللہ سے محبت کرتی ہوگی اور اللہ بھی ان سے محبت کرے گا۔''

رسول اللہ ﷺ مرتدین کے بارے میں حکم کی وضاحت فرماتے ہیں۔

((من بدل دینه فاقتلوه))

''جوشخص اپنے دین کو بدل ڈالے اسکوقتل کردو'' (صحیح بخاریؒ ج۳:۷۵،ج۹:۱۹،۱۳۷)

دیکھیے یہ ایک حکم یا حد ہے جوکسی مخصوص شخص پر ہی لاگو کی جاسکتی ہے۔وگرنہ ہم کیسے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرسکتے ہیں۔جب ہم کسی مخصوص کی تکفیر ہی نہ کریں کیا یہ کہا جائے کہ ایسا فعل کرنیوالے کوقتل کیا جائے؟ (یہ فعل کرنے والا لازمی طور پر کوئی مخصوص شخص ہی ہوگا)۔لہٰذا یہ قول واضح طور پر باطل ہے اوراس سے اللہ کے احکام کی تعمیل نہ کرنا لازم آتا ہے۔اسکے برعکس امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے کلام میں اس بات کی مکمل وضاحت موجود ہے کہ جوشخص کفریہ قول کہتا ہے تو اگر وہ ایسے مقام پر رہتا ہے جہاں علم موجود نہیں اور جاہلت پھیلی ہوئی ہے تو ابتدائی طور پر اس شخص کی تکفیر کرنا صحیح نہ ہوگا حتیٰ کہ اس پر حجت نہ قائم کردی جائے۔

لیکن جب تمام دلائل کے باوجود وہ اپنے کفر میں ڈٹا رہے تو پھر اسکو مخصوص کرکے کافر کہنا درست ہے۔

امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں''صفات باری تعالیٰ کا انکار کفر ہے بروز قیامت دیدار الٰہی کا انکار کرنا بھی کفر ہے اللہ تعالیٰ کے عرش پر موجود ہونے کا انکار کفر ہے'' جب ان تمام احکامات کا علم ہوجائے تو یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ایسے قول کہنے والے جاہلوں کی اس حیثیت سے تکفیر کرنا کہ ان کے کافر ہونے کا حکم لگایا جائے اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک ان کو احکام اسلام کی مکمل تبلیغ نہ کردی جائے۔

اوران کو خبر نہ کردی جائے کہ وہ رسول ﷺ کی مخالفت کررہے ہیں۔لیکن اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ اقوال کفریہ ہیں یہی حکم تمام مخصوص لوگوں کی تکفیر کرتے وقت مدنظر رکھا جائے۔اوراس امر کا بھی خیال رکھا جائے کہ بعض بدعات ومعصیات دوسری بدعات سے شدید خطرناک ہوتی ہیں کچھ ایسے بدعتی بھی ہوتے ہیں جن میں ایمان اوراعمال صالح موجود رہتا ہے۔لیکن کچھ بدعتی لوگوں میں یہ بھی موجود نہیں رہتا۔

امام محمد ابن عبدالوہابؒ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ پر منسوب کردہ جھوٹ کے خلاف ایک مستقل رسالہ قلم بند فرمایا ہے جس میں امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے اقوال کا مکمل جائزہ لیکر یہ وضاحت کی گئی ہے کہ امام موصوف کا تکفیر معین کو ناجائز کہنا حجت قائم کرنے سے قبل کے بارے میں ہے اور یہ دلیل وحجت صرف مخفی اور غیر ظاہر امور

میں ہے۔(کیونکہ اسلام کے ظاہری اور بنیادی امور میں حجت قائم کرنا ضروری نہیں)۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت:۱۷۳)

''جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔''(ذبح کرتے وقت یا کسی اور معاملے میں مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ غیر اللہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر کوئی آتا ہے خواہ نبی ہو یا کوئی فرشتہ، ولی ہو یا کوئی اور اللہ کو چھوڑ کر ان میں سے کسی کو بھی پکارنا حرام ہے۔)

کتاب اقتضاء صراط المستقیم میں امام ابوالعباس شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جوشخص غیر اللہ کے لئے ذبح کرے تو وہ حرام کام کررہا ہے اگرچہ یہ لفظ منہ سے ادا کرے یا نہ کرے۔غیر اللہ کے لئے ذبح کرتے وقت عیسیٰ علیہ السلام (یا آپ کے علاوہ کسی ولی' پیر بزرگ) کا نام لیا جائے۔

جس طرح ہم اللہ کے قرب کے حصول کی خاطر قربانی دیتے ہیں ذبح کرتے وقت نام بھی اللہ ہی کا لیتے ہیں۔

یقیناً نماز اور قربانی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت' ہر کام کی ابتداء' میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے زیادہ بڑھ کر اجر وثواب کی حامل ہے۔

اسی طرح غیر اللہ کی عبادت کرنا' غیر اللہ سے مدد طلب کرنے سے زیادہ بڑا گناہ ہے اور اگر غیر اللہ کے لئے اور اسکے قرب کے حصول کے لئے جانور ذبح کیا جائے تو یہ ذبیحہ حرام ہے جس طرح اس امت کے منافقین کرتے ہیں۔اور اگر یہ مرتدین ذبیحہ کریں تو انکا ذبیحہ کسی بھی صورت میں جائز نہیں' انکے ذبیحہ کے ناجائز ہونے کی وجہ دو ممانعات ہیں (ایک یہ کہ انکا ذبیحہ غیر اللہ کے لئے ہے اور دوسرا غیر اللہ کا نام بھی لیا گیا ہے)

اسی طرح اہل مکہ جنّات کے لئے ذبح کرتے تھے'' کلام شیخ مکمل ہوا۔

یہ وہ کلام ہے جس کے بارے میں دین کے دشمن یہ کہتے ہیں کہ آپ تکفیر معین کے قائل نہ تھے۔

آپ دیکھئے کہ اس امت میں جولوگ غیر اللہ کیلئے ذبح کرتے ہیں شیخ الاسلام انکی بھی تکفیر کررہے ہیں۔

اور بیان فرماتے ہیں کہ ایسا منافق شخص مرتد بن جاتا ہے۔کسی کو مرتد کہنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جب تک کسی کو مخصوص کرکے مرتد نہ کہا جائے۔

جو شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ مشرک لوگ بتوں کی عبادت کس طرح کرتے تھے اور وہ جس شرک کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی اسی شرک کی حقیقت کی معرفت اس طرح چاہتا ہے کہ قرآن کی تفسیر بیان ہوجائے تو اسکو چاہیئے کہ وہ سیرت النبی ﷺ اور آپ کے زمانے کے عرب کی حالت کا مطالعہ کرے۔

ان مشرکین مکہ نے ایک درخت مخصوص کیا ہوا تھا جس پر یہ مشرکین اپنا اسلحہ لٹکایا کرتے تھے۔ اسکا نام ذات انواط تھا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے بھی اسی طرح کا ایک ذات انواط بنادیجئے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ تو پہلے لوگوں کے طور طریقے ہیں تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کی سنت پر عمل کرو گے، اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے صرف مشابہت کا بھی رد فرمایا ہے تو جو لوگ عین شرک کرتے ہیں انکا حال کیا ہوگا؟ کیا وہ مشابہت سے بڑھ کر نہیں؟

شیخ الاسلامؒ مزید لکھتے ہیں: دمشق میں بھی ایسے متعدد مقامات موجود ہیں مثلاً ''مسجد کف'' اس مسجد میں ہاتھ کا مجسمہ بنا ہوا ہے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس بت کو منہدم کردیا گیا ہے اس لئے شرکیہ مقامات بہت سے ہیں بلکہ حجاز میں بھی موجود ہیں۔ ان واقعات سے وہ سب بھی معلوم ہوگیا جس کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے پر لعنت فرمائی تھی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ج۲:۳۷۷، ج۳:۳۴۵، التنهید لا بن عبدالبر ج۱:۱۹۸، تهذیب تاریخ دمشق لا بن عساکر طبعة بیروت ج۱:۱۱۷، اسی طرح لعنت میں یہود کے نام کی تخصیص کے ساتھ دیکھیے۔ سنن نسائی کتاب الجنائز ب:۱۰۵، مسند احمد ج۲:۳۶۶، ج۵:۱۸۴، ۱۸۶ مستدرك الحاكم ج ٤: ١٩٤، مجمع الزوائد ج۲:۲۷، ۲۸، المعجم الکبیر ج۱:۱۲۷، ۱۳۱، ج۵:۱۶۶، المعجم الصغیر لطبرانی ج ۱:۳٤، اسی طرح لعنت میں یہود کے ساتھ نصریٰ نام کی تخصیص کے ساتھ دیکھیے: صحیح بخاری ج ۱: ۱۱٦، ۱۲۸، ج ٦: ۱۳، صحیح مسلم کتاب المساجد ب۳ رقم ۱۹، ۲۱، مسند احمد ۱:۲۱۸، ۵۱۸، ج۵: ۲۰٤، ج ٦: ۳٤، ۱۲۱، ۲۵۵، فتح الباری ج۸: ۱٤۰، سنن نسائی ج۱:۹٦، تفسیر ابن کثیر ج۵:۱٤۳)

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ انبیاء کی قبروں کی مٹی ناپاک نہیں ہوتی۔

لیکن پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ ((**اللهم لاتجعل قبری وثنا یعبد**))

''اے اللہ میری قبر کو بت خانہ نہ بنانا کہ جس کی عبادت کی جائے!''

(مؤطا امام مالك ۱۷٦ ـ طبة دارالفکر بیروت، تفسیر القرطبی ج۲:۵۸، الطبقات الکبریٰ لا بن سعد ج۲:۳۵، التمهید لا بن عبدالبر ج۵:٤۱، ٤۳، التحاف السادة المتقین لزبیری ج٤:٤۱۱۷، یه تو تهی تخریج حدیث ((اللهم لا تجعل قبری وثناً یعبد الیه)) دیکھیے ((اللهم لا تجعل قبری وثناً یصلیٰ الیه)) کہ اے اللہ میری قبر کو بت خانہ نہ بنانا کہ اسکی طرف نماز پڑھی جائے۔ کے الفاظ کے ساتھ: مشکوٰة المصابیح ۷۵۰، مسند احمد بن حنبلؒ ج۲:۲٤٦، کنز العمال للمتقی الهندی ۳۸۰۲، مصنف عبدالرزّاق ۱۵۸۷: مسند الحمیدی ۱۰۲۵ ج۲:۳٤۵، جمع الجوامع سیوطی ۹۹۵۲، التمهید لا بن عبدالبر ج۵:٤٤، الطبقات الکبرٰی لابن سعد ج۲:۳٦، الشفا للقاضی عیاض ج ۲:۱۹۷ـ۲۰٦)

اور یہ بات بھی معلوم شدہ ہے کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کرنے کی وجہ سے سورج کے طلوع وغروب ہوتے وقت نماز ادا کرنے کی ممانعت کی ہے تاکہ شرک کے پیدا ہونے کا ذریعہ ہی بند ہوجائے۔ اور تاکہ لوگ سورج کے طلوع وغروب ہوتے وقت نماز ادا نہ کریں حالانکہ نمازی سجدہ تو اللہ ہی کو کرے گا۔ لیکن ان اوقات میں نماز پڑھنے سے یہ سوچ پیدا ہوسکتی تھی کہ سورج کو پکارا، یا سجدہ کیا جارہا ہے لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ جن دونوں کاموں سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا اور دونوں وقوع پزیر ہورہے ہیں۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو سورج اور چاند کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کو مختلف طریقوں سے پکارتے ہیں۔ یہ بہت بڑا شرک ہے جس سے اسلام کے نام لیوا گمراہ ہورہے ہیں (یہ بڑی ستم ظریفی ہے کہ) بعض مشہور مصنفون نے اس موضوع میں مشرکین کے افکار کے مطابق کتابیں بھی لکھ ڈالی ہیں۔

جیسے ابومعشر بلخی اور ثابت بن قرة وغیرہ اہم ہیں۔ یہ لوگ شرک میں داخل ہوچکے ہیں۔ طاغوت اور بتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے جھوٹے نظریات کو قرآن کی طرف منسوب بھی کرتے ہیں (معاذ اللہ) (جس طرح ہمارے زمانے کے مشرک غیر اسلامی نظریات اور اپنی بدعات وخرافات کو قرآن وحدیث سے جبراً ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف عمل رہتے ہیں)۔

دیکھیے یہ ہیں امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے خیالات اب صرف وہی شخص آپ کی طرف عدم تکفیر کے

نظریے کو منسوب کرسکتا ہے جسکے دل کو اللہ تعالیٰ نے ٹیڑھا کر دیا ہو۔ دیکھئے آپ نے کیسے۔ اکابیر شوافع میں شامل فخر الدین رازی اور مشہور مصنف ابو معشر پر کفر وارتداد کا فتویٰ لگایا ہے۔ آپ علم کلام کا رد فرماتے ہوئے فخر الدین رازی کے متعلق فرماتے ہیں ''مسلمانوں کی متفقہ رائے کے مطابق یہ واضح ارتداد ہے''

(الدرر السنية ١١/٤٥٢، ٤٥٣)

اسکے علاوہ آپ نے دمشق کے مشرکین کو لات منات اور عزیٰ کی پوجا کرنے والوں کی مانند ٹھہرایا ہے اور ہمیں آپ کے اس کلام پر بھی غور وفکر کرنا چاہیئے جو آپ نے ذات انواط اور شرک عین کرنے والوں کے متعلق رقم کیا ہے۔ کیا ان تمام اقوال کے بعد بھی شیخ الاسلامؒ کے کلام کے اس حصے کو نقل کرتے ہیں جس سے بعض لوگ غلط نظریات اخذ کرتے ہیں آپ لکھتے ہیں۔ میں تمام لوگوں سے بڑھ کر اس بات سے منع کرنے والا ہوں کہ کسی کو مخصوص کر کے اسپر کفر، بدعت اور فسق وفجور کو منسوب کیا جائے۔ مگر جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص پر تبلیغ کی حجت قائم ہو چکی ہے اور وہ پھر بھی اپنے کفریہ خیالات پر مُصر ہے تو وہ کافر'' فاسق یا گناہ گار ہوگا۔''

شیخ الاسلامؒ کے کلام کے تمام موضوعات پر جہاں تک ہم واقف ہیں آپ نے جہاں بھی عدم تکفیر کا ذکر کیا ہے ساتھ ہی اشکال کو زائل کرنے کے لئے فرمایا کہ کفر کا فتویٰ لگانے سے توقف صرف حجت قائم کرنے تک ہے جب دلیل و حجت قائم کردی جائے تو مسئلہ کے تقاضوں کے مطابق اس پر کافر، فاسق، یا گناہ گار ہونے کا حکم لگایا جائے۔

اور آپ نے یہ بھی صراحت فرمادی کہ تبلیغ کی حجت ان مسائل میں لازمی ہوگی جو مسائل مخفی ہیں ظاہر نہیں ہیں۔

امام صاحبؒ کے کلام پر غور کیجیے اور ان شبہات واعتراضات پر غور کیجئے جو اللہ کے دشمنوں نے کئے ہیں (ان میں واضح فرق نظر آتا ہے لیکن) جسکو اللہ ہی فتنے میں مبتلا فرمادے اسکو کوئی چھٹکارا نہیں دلاسکتا۔

آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ ہمارا عقیدہ نظریہ اور سوچ ہے (اور ہمیں امید واثق ہے کہ اللہ ہمیں اس پر ثابت قدم رکھے گا۔) کہ اگر امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ یا آپ سے بڑے سے بڑے کسی اور امام کی بات بھی غلط ہوتی تو ہم اسکا بھی رد کرتے۔ لیکن یہ مسئلہ ثابت شدہ ہے جو بھی شخص تکمیل حجت کے بعد بھی اللہ کے ساتھ

شرک کرتا ہے یا وہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔

یا اسکے علاوہ کسی ایسے صریح اور واضح کفر کا ارتکاب کرتا جسے اللہ اسکے رسول ﷺ اور علماء امت رحمۃ اللہ نے بیان فرمایا تو ہم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لاتے ہوئے اسکو کافر قرار دیں گے۔ اگرچہ کوئی اسکو مانے یا نہ مانے۔

لیکن الحمد اللہ ہم کسی ایسے عالم کو نہیں جانتے جو اس مسئلے میں اختلاف کرتا ہو۔ اور جو بھی شخص اس مسئلے میں اختلاف کرتا ہے تو اسکے پاس کوئی دلیل نہیں ہے وہ صرف فرعون کی پیش کی ہوئی دلیل ہی پیش کرسکتا ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ ﴿ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴾ (سورۃ طٰہٰ آیت: ۵۱)

''پہلی قوموں کا کیا ہوگا جو اسی عقیدہ پر اس دنیا سے چلی گئیں''؟

یا وہ قریش مکہ کی پیش کی ہوئی دلیل ہی پیش کرسکتا ہے۔

﴿ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ﴾ (سورۃ ص آیت: ۷)

''ہم نے ایسی بات کسی اور دین میں نہیں سُنی''۔

شیخ محمد بن عبد الوہابؒ اپنے رسالہ میں رقم طراز ہیں ''امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مانعین زکوۃ کے بارے یں لکھتے ہیں صحابہ کرام ؓ '' زکوۃ نہ دینے والوں سے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ کیا تم زکوۃ کی فرضیت کا اقرار کرتے ہو یا انکار؟؟۔ یہ بات نہ تو خلفاء راشدین ؓ سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام ؓ سے بلکہ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ نے تو سیدنا عمر فاروق ؓ سے فرمایا تھا کہ اللہ کی قسم' اگر یہ لوگ مجھے ایک رسی بھی دینے کا انکار کردیں جسکو یہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں دیا کرتے تھے تو میں انکے خلاف جہاد کروں گا۔

آپ نے صرف دینے کے انکار کو ہی مرتد ہونے کا سبب جانا ہے نہ کہ فرضیت زکوۃ سے انکار کو وجہ بنایا ہے حالانکہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ کچھ قائل زکوۃ کو فرض سمجھتے تھے لیکن بخل کی وجہ سے ادا نہیں کرتے تھے۔ سیدنا ابوبکر ؓ کے ساتھ ساتھ تمام خلفاء کا طریقہ کار بھی یکساں تھا آپ سب نے مل کر زکوۃ نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا ان قبائل میں لڑنیوالوں کو قتل انکے بچوں کو قیدی اور انکے مال ومتاع کو مال غنیمت بنایا اور اسی طرح زکوۃ نہ دینے والے مقتولین کے بارے میں گواہی دی کہ وہ جہنمی ہیں اور تمام مانعین زکوۃ کو مرتد شمار کیا۔

یہ واقعہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عظیم فضائل میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہاد میں آپ کو ثابت قدم رکھا۔ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح توقف اختیار نہ کیا بلکہ ان سے مناظرہ کر کے اپنی بات کی حقیقت کو منوالیا۔ اسکے علاوہ مسلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کو ماننے والوں کے خلاف جہاد کرتے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین کوئی اختلاف رونما نہ ہوا۔

آپ غور کیجئے کیا ان تمام مذکورہ بالا واقعات میں تکفیر معین موجود نہیں؟ کیا یہ گواہی موجود نہیں ہے کہ مرتدین کے مقتول جہنمی ہیں کیا صرف منکرین کے انکار کی وجہ سے انکی بیویوں اور اولاد کو قیدی نہیں بنایا گیا تھا۔ ؟؟؟ پھر بھی یہ دین کے دشمن کہتے ہیں کسی کو مخصوص کر کے اسکی تکفیر معین نہیں کرنی چاہیئے۔

شیخ الاسلامؒ فیصلہ کن کلام فرماتے ہیں "قرآن وسنت کے مستند نصوص اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متفقہ فیصلے کے مطابق یقیناً مانعین زکوۃ کو کافر و مرتد قرار دیا گیا تھا۔

امام ابن القیم علیہ الرحمۃ "اغاثة اللهفان" میں قبروں کی تعظیم کی مذمت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ "ان مشرکوں کا معاملہ یہاں تک آن پہنچا ہے کہ ان میں سے بعض غالی مشرک حضرات نے تو اپنے شرک کے متعلق کتابیں ہی لکھ ڈالی ہیں۔ جسکا نام "مناسک مشاہد" یعنی قبروں کی زیارت کے آداب رکھا گیا ہے۔ اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ یہ لوگ ایسے اعمال کی وجہ سے دین اسلام سے خارج اور بتوں کی عبادت کے مذہب میں داخل ہو چکے ہیں۔

امام ابن القیمؒ نے جس کتاب لکھنے والے کا ذکر فرمایا ہے اسکا نام ابن المُفید ہے۔

میں نے اس کتاب کا بذات خود مطالعہ کیا ہے۔ اسکو پڑھ کر معلوم ہوا کہ کیسے ابن المُفید کی مخصوص تکفیر معین سے باز رہا جائے۔

تمام بڑے بڑے ائمہ اپنے کلام میں مسئلہ تکفیر میں متفق نظر آتے ہیں۔ ہم اس تمام کلام میں سے چند ایک کو ذکر کئے دیتے ہیں۔

احناف کا نظریہ: احناف کا اس مسئلے کے متعلق سب سے زیادہ شدید ترین نظریہ ہے یہاں تک وہ بطور حقارت مصحف قرآن کو مصیحف یعنی چھوٹا سا کتابچہ اور مسجد کو بطور حقارت چھوٹی سی مسجد کہنے پر یا جان

بوجھ کر لاپرواہی کرتے ہوئے بغیر وضو کے نماز ادا کرنے پر بھی تکفیر معین کو جائز سمجھتے ہیں۔

امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ شیخ ابن الخضیری سے اور وہ اپنے والد شیخ الخضیری (احناف کے ایک بڑے امام) سے روایت کرتے ہیں کہ "بخارا کے فقہاء ابن سینا کے متعلق یہ رائے رکھتے تھے کہ یہ بڑا ذہین وفطین کافر ہے۔"

دیکھیئے یہ احناف کے ایک بڑے امام ہیں جو تمام فقہاء بخارا کی ابن سینا کے کفر کے متعلق روایت بیان کر رہے ہیں۔ ابن سینا ایک مشہور مصنف اور ظاہراً مسلمان تھا۔

مالکیّہ کا نظریہ: مسئلہ تکفیر میں علماء مالکیّہ کا کلام جو شمار سے باہر ہے۔

انکے فقہاء فتوی صادر کرنے میں بڑے جلد باز تھے۔ یہ کسی شخص کے ایسے کلام کی وجہ سے جو مبہم ہوا جسکو اکثر لوگ سمجھ نہ پائیں۔ اسکے قتل کا فیصلہ کر دیتے تھے۔

قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب "الشفاء" کے آخر میں ایک نوٹ ذکر فرمایا ہے۔ اس میں یہ مذکور ہے کہ جو شخص بطور تعظیم غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے وہ کافر ہے۔ جبکہ یہ مسئلہ ہمارے موضوع سے بہت زیادہ ہلکا ہے۔

شافعیّہ کا نظریہ: مکتبہ شافعیّہ کے ایک بڑے امام روضۃ الندیۃ کے مصنف فرماتے ہیں۔

"کوئی بھی مسلمان جب (اللہ کے علاوہ خواہ کوئی بھی اگرچہ) نبی علیہ السلام کے لئے ذبح کرے تو وہ کافر ہے۔" "جو شخص ابن عربی اور اسکے گمراہ گروہ کے کفر میں شک وشبہ رکھے وہ بھی کافر ہے"۔

ہماری رائے تو ان سے بھی ہلکی ہے۔ امام ابن حجر العسقلانیؒ نے ایک مستقل کتاب بنام "الاعلام بقواطع الاسلام" تحریر فرمائی ہے جس میں ایسے بہت سے اقوال وافعال کے متعلق لکھا ہے جس سے اسلام سے خروج اور کفر معین ہو سکتا ہے۔

اسکے علاوہ تمام تر شبہات واشکالات کو زائل کرنے اور مومنوں کے یقین کو پختہ تر کرنے والی ایک اور چیز بھی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرۃ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء عظام کی سیرت ہے۔

جس میں اہم ترین واقعات ہم زیر نظر سطور میں لکھے دیتے ہیں۔

(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا براء رضی اللہ عنہ کو ایک علم (جھنڈا) عنایت فرما کر اس شخص کو قتل کرنے کے

لئے بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہوا تھا (یہ قبل از اسلام کے دور جاہلیت کی ایک قبیح رسم تھی اپنے والد کی بیویوں کو اولاد وراثت کی طرح بانٹ لیتی تھی)۔

(2) جب رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ بنی المصطلق نے زکوۃ سے انکار کر دیا ہے تو آپ نے انکے خلاف جہاد کا ارادہ فرمایا تھا۔

(3) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی سیرت کو ہم بطور مثال لیتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے زکوۃ نہ دینے والوں کے خلاف قتال کیا۔ انکی اولاد کو قیدی اور اموال کو غنیمت جانا اور متفقہ طور پر مانعین زکوۃ کو مرتد جانا۔

(4) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اجماع فرمایا کہ اگر قوامہ بن مظعون اور انکے ساتھی تائب نہ ہو جائیں تو وہ شراب کو حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر ہوں گے۔

(5) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کو اپنی شان میں غلو کرنے کی وجہ سے آگ میں جلانے کی سزا دی۔

(6) اسی طرح دور عثمان رضی اللہ عنہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ان مسجد والوں کے کفر کے متعلق اجماع فرمایا جنہوں نے مسیلمہ کذاب کی تائید میں کچھ باتیں کی تھیں حالانکہ وہ انکے پیروکار نہ تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے تو ان کی توبہ قبول کرنے میں ہی اختلاف فرمایا تھا۔

(7) صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور بڑے بڑے تابعینؒ نے اجماع کیا کہ مختار بن ابوعبید ثقفی اور اس کے پیروکار کافر ہیں حالانکہ مختار، سیدنا حسین اور اہل بیت کے خون کے بدلے کا دعویدار تھا۔

اسی طرح تابعینؒ اور تمام علماء کرام نے دین وعلم کے اعتبار سے مشہور شخصیت جعد بن درہم کے قتل پر اتفاق کیا۔ ایسے بے شمار واقعات اور بھی موجود ہیں جن کو ہم بطور مثال پیش کر سکتے ہیں۔

(مجموع مؤلفات الشیخ محمد بن عبد الوهاب ٦/٢١٠،٢١٥)

خلاصہ کلام کے طور پر شیخ ابوبطین، اس موضوع کی مناسبت میں شیخ الاسلام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے اقوال کی توضیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ یہ جو امام تقی الدین شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ کسی کو کافر قرار دینا اور قتل کا حکم دینا حجت قائم کرنے تک موقوف ہے اسکا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ یہ دونوں امر کفر اور قتل

دراصل دلیل وحجت کو سمجھنے پر موقوف نہیں بلکہ صرف دلیل کی تبلیغ پر منحصر ہے۔

قرآن وسنت کی دلیل کو پہچانا اور تبلیغ کرنا ایک علیحدہ چیز ہے اور اسکو سمجھنا ایک مختلف معاملہ ہے۔

اگر یہ حکم دلیل کو سمجھنے پر منحصر ہوتا تو ہم اس وقت تک کسی کو نہ تو کافر کہہ سکتے تھے اور نہ ہی کسی کے قتل کا حکم دے سکتے تھے جب تک یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ شخص اسلام سے خصوصی بغض عناد رکھتا ہے (اور یہ رائے واضح طور پر غلط ہے) اسکے برعکس شیخ الاسلامؒ کا دوسرا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ دلیل وحجت کے فہم کو صرف ان امور میں معتبر سمجھتے تھے جو اکثر لوگوں پر مخفی اور پوشیدہ ہوتے ہیں۔ (مذکورہ بالا تحریر کا مطلب یہ ہے کہ توحید ورسالت کی تبلیغ ضروری ہے اب کسی کو سمجھ آتا ہے یا نہیں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے اسکے علاوہ بعض امور جیسے باری تعالیٰ کا علم ہونا وغیرہ اسکو تبلیغ کے ساتھ ساتھ سمجھانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ (مترجم)

(جیسے صفات باری تعالیٰ)۔ اور ان امور میں توحید ورسالت شامل نہیں ہے۔

اب رہا مسئلہ توحید اور رسالت کی مخالفت کرنے والوں کا۔ تو شیخ الاسلامؒ نے بہت سے مقامات پر صراحت فرمادی ہے کہ توحید ورسالت کی مخالفت کرنے والے اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے اگر وہ توبہ نہ کرے تو وہ کافر اور واجب القتل ہے (توبہ کرنے کے مطالبہ پر علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں توبہ کرے یا نہ کرے ہر صورت میں واجب القتل ہے اور یہی بات راجع ہے۔ (الجمیری) ان امور میں اسکی جہالت کو قابل عذر نہیں مانہ گیا۔ حالانکہ ہم اس حقیقت حال سے واقف ہیں کہ شرک وبدعت کے ارتکاب کرنیکی حقیقی وجہ جہالت ہی ہوتی ہے اگر لوگ اس بات کو جانتے کہ ہمارا یہ عمل کفر ہے تو ہرگز ایسا عمل نہ کرتے ابوبطین، شیخ الاسلامؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ نے تکفیر کو اسلام سے بغض عناد کے ساتھ خاص نہیں فرمایا ہے۔

کیونکہ اکثر جہلاء اس بات کو جانتے ہی نہیں کہ انکے اقوال واعمال کفریہ ہیں۔ ایسے معاملات میں جہالت کے عذر کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ان جاہلوں کے بعض کام تو توحید جیسے اہم فریضے کے برعکس ہوتے ہیں اور کچھ اعمال قرآن وسنت سے ثابت شدہ متفق علیہ مسائل کی مخالفت واعراض پر مبنی ہوتے ہیں۔

سلف وصالحین اور ائمہ عظام نے ایسے لوگوں کے بھی کفریہ اقوال کی وجہ سے انکی تکفیر کی ہے جن کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ وہ اسلام سے بغض وعناد نہیں رکھتے۔

شیخ ابوبطینؒ لکھتے ہیں کہ امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایسے بہت سے اقوال وافعال کو ذکر فرمایا ہے۔ جن کو کہنے یا کرنے والا کافر ہوجاتا ہے لیکن آپ نے مرتدین کے بغض وعناد کے متعلق کوئی حکم نہیں لگایا ہے۔

شیخ ابوبطینؒ مزید رقم طراز ہیں۔آپ دیکھئے کہ شیخ الاسلامؒ نے مخفی امور (صفات الٰہی وغیرہ) اور ظاہری امور (توحید ورسالت) میں فرق کیا ہے۔اگر کوئی مخفی امور کا انکار کرے گا تو یہ کہا جائے گا کہ منکر گنہگار اور غلطی پر ہے۔اس پر ایسی حجت قائم نہیں ہوتی جس سے اس پر کفر کا حکم لگایا جائے۔

لیکن قرآن وحدیث کے ظاہری امور میں یہ لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ مطلقاً حکم صادر کیا جائے گا۔ اگرچہ کسی مسلمان سے ظاہری امور یعنی توحید ورسالت میں مخالفت جہالت کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔ ایسے معاملات جن کے بارے میں کتاب وسنت اور اجماع امت دلالت کرتا ہے کہ یہ کفر ہے۔ان میں غیراللہ کو عبادت میں شرک ٹھہرانا بھی ہے۔ جو شخص شرک (اکبر) کا ارتکاب کرتا ہے یا صرف اس شرک کو قابل تحسین ٹھہراتا ہے تو وہ بلاشک وشبہ کافر ہے۔اور اگر یہ تحقیق سے ثابت ہوجائے تو اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم یہ کہو۔ یہ شخص اس شرک کی وجہ سے کافر ہوگیا ہے۔(یعنی اس مشرک شخص کی تکفیر معین کرنا جائز ہے)

فقہاء کرام نے ایسے بہت سے امور پر روشنی ڈالی ہے جن سے کوئی بھی مسلمان مرتد بن جاتا ہے۔فقہاء اس بات کو اکثر ان الفاظ میں شروع کرتے ہیں کہ ''جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے وہ کافر ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔اگر وہ توبہ ثابت ہوجاتی ہے تو ٹھیک وگرنہ وہ واجب القتل ہے (یہاں یہ بات بالکل اچھی طرح ذہن میں رہے کہ ایسے شخص (مرتد) کو تبلیغ وتوبہ کی حجت ودلیل قائم کرنے کے بعد قتل کرنے کا حق صرف اسلامی خلافت کی موجودگی میں حاکم وقت کو ہی حاصل ہے۔(اگر اسلامی خلافت ہو! ورنہ کوئی بھی مسلمان اہل علم کے فتویٰ کے بعد اسکو قتل کرسکتا ہے۔کیونکہ اسکا زندہ رہنا مسلمانوں کیلئے باعث فتنہ ہے۔(الجمیری) موحدین عوام کیلئے یہ ضروری ہے کہ شرک اور مشرکین سے براءت وبغض کا اظہار کریں اور ان سے لوگوں کو ڈرائیں اور توحید کی دعوت کو ہر ممکن طریقے سے عام کریں)۔ذرا سوچئے توبہ کرنے کا مطالبہ کسی مخصوص شخص سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

شیخ ابوبطینؒ مزید لکھتے ہیں ''کفر کی انواع واقسام میں سب سے بڑی قسم اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت میں غیراللہ کو شریک کرنا ہے۔مسلمانوں کے اتفاق کے مطابق یہ عمل کفر ہے۔ جو شخص ایسے شرک کا ارتکاب

کرے تو اسکو کافر کہنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔جس طرح کوئی شخص زنا کرے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ زانی ہے۔اسی طرح سودخور کو سودی کہا جائے گا۔ بالکل اسی طرح شرک کرنے والے کو کافر کہا جائے گا۔

(1) قصہ مختصر: یہ ہے کہ کسی کو مخصوص کرکے کافر صرف ان امور میں قرار دیا جاسکتا ہے جو دین کی بنیاد توحید کے متعلق ہیں۔چونکہ دنیا کے احکامات تو صرف ظاہری امور پر لگائے جاسکتے ہیں لہٰذا ہر وہ شخص جو ایسے کفر اکبر میں ملوث ہے جس کفر سے ملت اسلام سے خارج ہونا لازم قرار پاتا ہے۔تو وہ شخص اپنے ظاہر کے لحاظ سے کافر ہے۔

اگر بعض علماء نے ایسے لوگوں پر کفر کے اطلاق سے اجتناب کیا ہے تو وہ صرف اور صرف دعوت تبلیغ کے بعض خاص مراحل میں احوال وظروف کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔

یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ علماء اور داعی حضرات کا فقہی نظریہ ہی ایسا ہے بالکل نہیں۔ بلکہ اگر کوئی ایسی رائے اور سوچ رکھتا ہے (جیسا کہ آجکل یہ بات معروف ہے کہ کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے (انا للہ وانا الیہ راجعون) یہ انتہائی قبیح اور عقیدہ توحید سے منحرفانہ سوچ ہے ایک شخص یا تو مسلمان ہے یا کافر ومنافق، کافر کو کافر کہنا تو عقیدہ توحید کی تعلیم ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے سورۃ ممتحنہ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے عقیدہ کو مومنین ومسلمین کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے اس آیت کا مطالع کریں۔اور جہاں تک کافر کو کافر نہیں کہنا ہے تو وہ بھی صرف عارضی طور پر ایک داعی (دعوت وتبلیغ کرنے والے) کے لئے مصلحۃً عارضی طور پر ہے جیسا کے اوپر ذکر ہوا یہ کہ مستقل یہ عقیدہ بنالیا جائے اور جسکا یہ عقیدہ ہے وہ اسلام سے نکالنے والے امور میں سے ایک کا ارتکاب کررہا ہے۔) تو وہ حدود اللہ کو معطل کرنے کے درپے ہے اور حکم الٰہی اور سنت نبوی ﷺ کی مخالفت بھی کررہا ہے۔

(2) ابتدائی طور پر ان امور میں جن کا علم رسالت کے حکم سے ہی معلوم ہوتا ہے تکفیر معین سے توقف کرنا صحیح نہیں ہے اور ایسے مقامات جہاں پر علم کی دستیابی کا امکان نہیں ہے کسی کو مخصوص کرکے کافر قرار دینا' حجت کے قائم ہونے تک صحیح نہ ہوگا۔لیکن اگر کوئی شخص حجت ودلیل قائم ہونے کے بعد بھی انکار کرتا ہے تو وہ بلاشبہ کافر ہوگا۔

(3) عموی طور پر تکفیر معین سے رک جانا اور مطلقاً یہ کہنا کہ یہ کفریہ فعل تو ہے مگر جب کوئی شخص اس کفریہ فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو ہم اسکو کافر نہیں کہہ سکتے!! یہ نظریہ بالکل لغو اور لایعنی ہے۔

یہ رائے احکام شریعت کو باطل قرار دینے کے مترادف ہے ۔یہ نظریہ ایسی بدعت ہے جو طریقہ رسول ﷺ اور صحابہ کرام ؓ، تابعینؒ اور علماء امتؒ کے اجماع کے برعکس ہے۔

حرف آخر: جب ہم دین الٰہی کی طرف دعوت وفکر دیتے ہیں تو ہم اپنی مکمل بصیرت و اطمینان کے بعد دعوت دیتے ہیں فرمان الٰہی ہے۔

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ﴾ (سورۃ یوسف آیت:۱۰۸)

''آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے میں اور میرے فرمابردار اللہ کی طرف بلا رہے ہیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔''

یقیناً جب ہر مستحق شخص پر حکم لاگو کیا جاتا ہے تو دیکھا جاتا ہے کچھ ضروریات شرعی ہوتی ہیں اور کچھ ضروریات واقعائی (زمینی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے وقتی ضروریات) ہوتی ہیں ۔جن سے کسی صورت چھٹکارا حاصل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر اوقات دعوت کے میدانوں میں تو شرعی ضررویات اور وقتی ملحوظات ایک ساتھ مربوط ہوتی ہیں لیکن اسکے ساتھ ساتھ مرتدوں یا نافرمانوں پر حدود الٰہی کا قیام بھی شریعت ہی کا حکم ہے۔جس حکم کو معطل کرنا یا کسی وجہ سے عمل نہ کرنا کسی بھی صورت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ناپاک چیزوں کو پاکیزہ چیزوں سے جدا جدا کرنا شریعت کا ایک اہم ترین مقصد ہے بلکہ قرآن کریم میں تو مؤمنوں' منافقوں اور کافروں کا صفات کا ذخیرہ موجود ہے تاکہ اللہ پر ایمان لانے والے اس بات کو اچھی طرح جان لین کہ ایسے کن لوگوں سے دور رہنا اور کن لوگوں کے ساتھ مل کر رہنا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾ (سورۃ ال عمران آیت:۱۷۹)

''جس حال پر تم ہو ایسی حالت پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو نہ چھوڑے گا جب تک وہ ناپاک اور پاک کو الگ الگ نہ کردے۔''

مفسر قرآن امام طبریؒ اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ مومنوں کو ایسی حالت میں نہیں چھوڑنے والا کہ مومن اور منافق کا پتہ ہی نہ چل سکے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خبیث اور طیب کے درمیان امتیاز کر کے رکھے گا یعنی اللہ رب العزت ابتلاء وآزمائش میں مبتلا فرما کر سچے ایمان لانے والے مخلص مومنوں اور اپنے کفر کے پردے میں چھپے رہنے والے منافقوں کے درمیان جدائی ڈال کر رہے گا۔طیب سے مراد مومن اور خبیث سے مراد منافق ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ 0 يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت:۸،۹)

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ اور مومنوں کو دھوکا دیتے ہیں لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں مگر شعور نہیں رکھتے''

مفسر قرآن ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:''اللہ تعالیٰ منافقوں کی صفات کے متعلق اسی باعث فرمارہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مومن ان کی ظاہری حالت سے دھوکہ کھا جائیں اور ان منافقوں سے میل جول سے اجتناب نہ کر کے بہت بڑے بگاڑ میں مبتلا نہ ہو جائیں ان منافقوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ یہ لوگ فی الوقت کافر ہیں۔

ان اہل فجور کے متعلق نیک خیالات رکھنا بھی بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ذرا بتایئے کہ ہم ان کافروں اور فاجروں کے باطل خیالات کی بہ نسبت کون سی نیکی اور بھلائی کو انکی طرف منسوب کر سکتے ہیں؟ کیا ان منافقوں کا مومنوں سے میل جول سے بڑا بھی کوئی فساد ہے؟ جسکی وجہ سے مومنوں کے دین میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔ مومنین شکوک وشبہات کا شکار ہو رہے ہیں اور جسکی وجہ سے حقائق کی پردہ پوشی ہوتی ہے۔

اور زرا بتایئے کہ آج کے دور سے بڑھ کر کونسا ایسا زمانہ ہے جب خبیث اور طیب میں واقع اور کھلم کھلا امتیاز کرنے کی ضرورت پیش آتی ہو؟ خاص کر دعوت کے میدانوں میں اس بات کی ضرورت زیادہ ہے۔جان لو! کہ اہل حق اور اہل باطل میں تفریق کرنا ایسا دوراہا ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔اس مسئلہ سے چشم پوشی کرنے اور بحث ومباحثہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس دنیا میں یا تو اسلام ہے یا جہالت،ایمان ہے یا

کفر، توحید ہے یا شرک' اسکے علاوہ کچھ بھی تو نہیں ۔ یہ ضروری ہے کہ مسلمان پر اس مسئلہ تکفیر کی وضاحت ہوجائے ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کے ضمیر سے تمام شکوک کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے ۔ تاکہ کوئی بھی مسلمان اپنے دور کے لوگوں پر اس مسئلے کا نفاذ کرتے ہوئے تردد کا شکار نہ ہو ۔ بلکہ اس حقیقت کے تقاضوں کو تسلیم کرے ۔ اور اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ کر اپنے دوستوں اور دشمنوں کو اسکا عملی جامہ پہنا سکے ۔ جب تک ضمیر مسلم سے اس مسئلہ کے متعلق شکوک کو نہ نکالا جائے تو اس وقت تک اس مسلمان کے لئے نہ تو حقیقت کا میزان سیدھا ہوگا ۔ اور نہ ہی اس پر منہج حق کا راستہ واضح ہوگا ۔ اور ایسا شخص اپنے ضمیر میں حق و باطل کے درمیان کوئی فرق نہ کر سکے گا ۔ بلکہ وہ سیدھی راہ کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھ سکتا ۔ اگر اس مسئلے کو عام عوام الناس کے نزدیک مبہم اور پوشیدہ رکھا جائے تب بھی یہ جائز نہ ہوگا کہ اس دین کے داعی حضرات بھی اس مسئلے کو مبہم اور پوشیدہ رکھیں ۔ بلکہ ان کو چاہیئے کہ وہ اس اہم ترین نظریئے کے متعلق خوب تحقیق کریں ۔

اے اللہ ! اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد گمراہ نہ کرنا' اپنے خاص فضل و کرم سے ہمیں رحمت عطا فرمانا ۔ بیشک تو بہت بڑا عطا کرنے والا ہے ۔

اے جبرائیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام کے پرودگار ! اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے ! حاضر و غیب کا علم رکھنے والے ۔ یقیناً تو ہی اپنے بندوں کے اختلافات کے بارے میں بہتر فیصلہ دینے والا ہے ۔ اے اللہ اس اختلافات میں حق بات کی طرف ہماری راہ نمائی فرما ۔ بے شک جسکو تو چاہتا ہے اسکو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے دیتا ہے ۔

اے اللہ ! رسول امین ﷺ اسکی آل اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر رحمتیں نازل فرما ۔ اور قیامت تک آپ ﷺ کے تمام نیک تابعداروں پر بھی رحمتیں نازل فرما !

واآخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين

ترجمہ از: خلیق الرحمٰن قدر

استاذ جامعہ دار الحدیث رحمانیہ سفید مسجد سولجر بازار کراچی

1.9.2003

(فتویٰ فی حکم دعاء الجن و اشیاطین)

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ

جنوں اور شیطانوں کو پکارنے کے بارے میں اہم فتویٰ

سوال: یہ کیا گیا ہے کہ کیا جنوں اور شیطانوں کو ارادۃً یا نادانستہ پکارنا جائز ہے؟ اسکے بارے میں حکم کیا ہے؟ اور عقیدے کے امور میں جہالت کو بطور عذر قبول کیا جائے گا یا نہیں ۔

جواب: ان سوالوں کا مختصراً جواب یہ عرض ہے کہ کسی بھی مسلمان کے لئے غیر اللہ کو ایسے کام کے لئے پکارنا جائز نہیں جس کام کے کرنے پر وہ قادر نہیں ہیں ۔ اگرچہ پکارنے والے کی نیت کسی ارادے کے تحت پکارے یا کسی مقصد کے بغیر پکارے ۔ اور غیر اللہ میں جن اور شیاطین بھی آجاتے ہیں ۔ اب رہا سوال جہالت کا تو اس بارے میں ((اللـجـنة الدّائمه للبحوث العلمية و الإفتاء)) کے تحت علماء کی ایک کمیٹی کا فتویٰ موجود ہے (جسکو ہم درج ذیل سطور میں درج کر رہے ہیں) وہ فتویٰ اس مسئلے میں کفایت کرنے والا ہے ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: لا دارات البحوث العلمية والا فتاء والدعوة والا رشاد

رئیس العام شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ

عبداللہ بن قصود	عبداللہ بن عریان	عبدالرزاق عفیفی	شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ
رکن	رکن	نائب رئیس	رئیس

علماء کمیٹی برائے اسلامی و علمی تحقیقات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

1) مقدمہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ باز رحمتہ اللہ علیہ 3
2) پیش لفظ 5
3) تمہید 7
4) جہالت کا توحید پر دائرہ اثر 12
5) توحید سے جہالت احادیث کی روشنی میں؟ 18
6) توحید کے بارے میں جہالت سے متعلق علماء کے اقوال 20
7) جہالت کا اسلام کی حقیقت پر دائرہ اثر 24
8) جن تک دعوت توحید نہ پہنچ پائی ہو،ان کا وجود ممکن؟ 27
9) شریعت کے اصول میں جہالت کا دائرا اثر! 39
10) اعتقادی اصول میں جہالت کا دائرہ اثر 48
11) غلط فہمیاں اور وضاحتیں 51
12) پہلی غلط فہمی ازالہ 53
13) دوسری غلط فہمی ازالہ 57
14) تیسری غلط فہمی ازالہ 59
15) چوتھی غلط فہمی ازالہ 61
16) پانچویں غلط فہمی ازالہ 66
17) چند وضاحتیں! 67
18) کسی کو متعین کر کے کافر قرار دینا 79
19) احناف کا نظریہ 87
20) شافعیہ کا نظریہ، مالکیہ کا نظریہ 88

رسالہ الجواب المفید فی حکم

جاھل التوحید

توحید سے جاھل

شخص کے بارے میں شرعی حکم

تالیف

للشیخ ابو عبداللہ عبدالرحمن بن عبدالحمید المصری

مقدمہ

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمتہ اللہ علیہ

ترجم

خلیق الرحمن قدر

استاذ جامعہ دار الحدیث رحمانیہ سولجر بازار کراچی

نظر ثانی

محمود الحسن الجمیری

استاذ جامعہ الدراسات الإسلامیہ کراچی

محمدی ویلیفئر ٹرسٹ (پاک کالونی کراچی)

فتوی فی عدم العذر بالجهل جہالت قابل عذر نہ ہونے کا فتویٰ

سوال: کیا کوئی بھی شخص جو کفریہ یا شرکیہ عمل کرتا ہے اسکے بارے میں یہ تو معلوم ہے کہ وہ ایسا فعل جہالت کی وجہ سے کررہا ہے سوال یہ ہے کہ کیا جہالت کا عذر قبول کیا جائے گا یا نہیں دونوں طرح کے دلائل پیش کیجئے۔

جواب: کسی بھی پابند شریعت اسلام سے غیر اللہ کی عبادت یا غیر اللہ کے لئے نذر و نیاز یا ذبیحہ کرنے پر کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا اسی طرح دیگر ایسی عبادات جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اگر وہ غیر اللہ کے لئے کی جائیں تو ان پر کوئی عذر پیش نہیں کیا جاسکتا صرف وہ شخص جو غیر اسلامی ممالک کا باشندہ ہو اور اس تک اسلام کی صحیح دعوت نہ پہنچی ہو وہ ہی عدم تبلیغ کا عذر پیش کرسکتا ہے صرف جہالت کا عذر پیش نہیں کرسکتا۔

کیونکہ صحیح مسلم میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس امت کے کسی بھی یہودی یا عیسائی تک میرا ذکر پہنچے اور وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنمی ہے''۔

دیکھئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے عذر کو بھی قبول کرنے سے منع فرمایا ہے جس تک ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا ہو۔ لہٰذا جو شخص مسلمان ممالک میں رہتا ہو تو ایمان کے اصول۔ توحید وغیرہ۔

میں کوئی عذر پیش نہیں کرسکتا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ انکے لئے ایک ذات انواط نامی درخت مقرر فرما دیجئے' جہاں پر وہ اپنا اسلحہ وغیرہ لٹکایا کریں تو اس واقع کے ضمن میں پہلی بات تو یہ عرض کی جاتی ہے کہ انہوں نے صرف مطالبہ کیا تھا نہ کہ بنفس نفیس ایسا فعل ان سے صادر بھی ہوا ہو۔ دوسری عرض یہ ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہ کفر کو چھوڑ کر نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

تو انہوں نے ایسا مطالبہ کیا لیکن جب انہیں خبر ہوگئی کہ یہ فعل شریعت کے منافی ہے تو انہوں نے اس فعل کا مطالبہ بھی چھوڑ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواباً ارشاد فرمایا وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اگر وہ لوگ اپنے مطالبے ایسا عمل کرتے تو وہ بھی کفر کرتے۔ وصل اللہ علی نبینا محمد والہ وصحبہ وسلم

(فتوی برقم 9257 تاریخ 1305/12/22) شیخ عبدالعزیز بن باز رحمتہ اللہ علیہ